سوال

زکوۃ کے احکام ومسائل ۔

جواب

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ

زکوۃ کے احکام ومسائل تفصیلاً کریں ؟

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

علم الاقصادیا تمدن یا پولیٹیکل اکانوی کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افراد قوم میں بلحاظ فقر و دولت کیوں کر ایک تناسب قائم کیا جائے، حکیم سولون کے عہد سے لے کر آج تک کوئی انسانی دماغ اس عقیدہ کی گرہ کشائی نہیں کر سکا۔ یورپ میں نہلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے۔ سوشلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے، اور جمہور کی ملک میں کر دیا جائے۔ فرقے اس لیے پیدا ہوگئے کہ اس مسئلہ کا حل کر سکیں۔

املاک پر سے حق ملکیت مالکان کا اٹھا دیا جانا اس قدر عملاً محال ہے۔ کہ دنیا میں کبھی بھی اس کا رواج نہ ہو گا۔ اسی لیے قرآن مجید نے اس بارہ میں پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے :

{ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ } (النحل : ۷۱)

رزق میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو برتری دی ہے، اور جن کو یہ برتری ملی ہے، وہ اپنا حصہ ان لوگوں کو جن کے وہ مالک ہو چکے ہیں، (اس لیے) واپس نہی کریں گے۔ کہ سب آپس میں برابر ہو جائیں۔ اسلام نے جو مسلمانوں کو دنیا کی برترین متمدن قوم بنانا چاہتا ہے، اس مسئلہ پر توجہ کی اور اسے ہمیشہ کے لیے طے کر دیا، اور اسی کا نام فرضیت زکوۃ ہے۔

۲ : زکوۃ ۲ ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی سے مساکین اور غرباء کی دست گیری ہر مسلمان کو خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تھی، اور ان کی ہمدردی کو غرباء کا رفیق بنایا جاتا تھا، اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غرباء و مساکین کے لیے بہت کچھ کیا بھی کرتے تھے، تاہم ایسا کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا۔ جس پر بطور آئین و ضبط کے عمل کیا جاتا ہو۔ اس لیے دولت مند جو کچھ بھی کرتے تھے، اپنی فیاضی و نیک دلی سے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو فرض اور اسلام کا ایک رکن کلمہ شہادت اور نماز کے بعد قرار دیا۔

زکوۃ : ... درحقیقت اس صفت ہمدردی اور رحم کے استعمال کا نام ہے جو انسان کے دل میں اپنے بنائے جنس کے ساتھ قدرتاً و فطرتاً موجود ہے۔ زکوۃ ادا کرنے سے ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاقِ انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی اور بخل امساک کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے اور یہ فائدہ بھی کہ غریب اور مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا رہتا ہے، اور اس لیے بے حد دولت کا جمع ہونا بھی اس میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ بھی فائدہ ہے کہ غرباء کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک انس و محبت اور اس کی دولت و ثروت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی پیدا ہو جاتی ہے، کیوں کہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود و قائم سمجھتے ہیں، گویا دولت مند مسلمان کی ایک ایسی کمپنی کی مثال پیدا کر دیتی ہے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کے حصے دار شامل ہوتے ہیں۔

قوم کو یہ فائدہ ہے کہ بھیک مانگنے کے رسم قوم سے بالکل مفقود ہو جاتی ہے، اسلام نے مساکین کا حق اُمراء کی دولت میں بنام زکوٰۃ اموال نامیہ یعنی ترقی کرنے والے مالوں میں مقرر کیا ہے، جن میں سے ادا کرنا کبھی ناگوار نہیں گزرتا۔ اموال نامیہ میں تجارت، زراعت اور مویشی و بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے، نقدی ‘معاون اور دفائن شمار ہوتے ہیں۔ اب یہ دکھلانا

ضروری ہے کہ جو نقد و جنس زکوٰۃ سے حاصل ہو اس کے مستحق کون کون لوگ ہیں، قرآن مجید میں ہے :

{اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ‌} (التوبہ : ٦٠)

زکوٰۃ اور صدقات کا مال (نمبر١) فقیروں (نمبر٢) مسکینوں کے لیے ہے۔ فقیروں اور مسکینوں کا فرق کتب فقہ میں دیکھو۔ (نمبر٣) تحصیلداران زکوٰۃ کے لیے جن کی تنخواہیں ادا ہوں گی (نمبر٤) اور ان لوگوں کے لیے جن کی دل افزائی اسلام میں منظور ہوں، یعنی نو مسلم لوگ۔ (نمبر٥) غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے (نمبر٦) اور ایسے قرض داروں کا قرضہ چکانے کے لیے جو قرض نہ اتار سکتے ہوں، (نمبر٧) اور اللہ کے رستہ میں یعنی دیگر نیک کاموں کے لیے اس کی تفصیل بھی کتب فقہ میں دیکھئے اور (نمبر٨) اور مسافروں کے لیے ہے، جن آٹھ مدات پر زکوٰۃ تقسیم کی گئی ہے، اس سے ظاہر ہے، کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے ملک اور قوم اور افراد کی نوعی و شخصی ضروریات تو کسی خوبی سے پورا کر دیا گیا ہے۔ (رحمۃ للعالمین : ص ٢٣٠)

شرفیہ : ... فہلسٹ کا مقصد یہ، کہ جملہ املاک امتیازات پر افراد و قوم کے مساوی حق تصرف و مسوی حق ملکیت ہو۔ سوشیالسٹ کا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملکیت میں کر دیا جائے، نیشلسٹ کا مقصد یہ ہے، کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملکیت میں کر دیا جائے، نیشلسٹ کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے، میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت، رزاقیت، الوہیت، وحدانیت و ارسال رسل وغیرہ صفات کے قائل نہیں جو ان کو قرآن مجید یا حدیث نبویہ سے قائل کیا جائے، لہٰذا ان پر برہان عقل پیش کیا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی امر ملکیت اراضی و اسباب معیشت وغیرہ کل شے میں شخصی حق تصرف نہیں صرف جمہور یا حکومت کا حق ہے، جس کو جتنا چاہے دے باقی سب پر در تصرف بند ہے، سو یہ قول بالکل خلاف عقل ہے، کہ **اولاً** : تو یہ مساوات اس امر پر موقوف ہے کہ تمام افراد قوم عقل و ہمت خلق قوت کسب انتظام نفسانی خواہش وغیرہ امور نظام صالح میں یکساں ہو، اور تجربہ شاہد عدل ہے کہ مساوات قطعاً ثابت نہیں۔ ان میں بے حد اختلاف ہے، اگر اختلاف نہ ہو تو پھر حکومت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ حکومت بے کار ہے اور یہ امر بھی بدنیتی ہے، لہٰذا مساوات ناممکن ہے، **دوم** : جب مزاجوں میں اختلاف شدید ہے، تو فساد فی الارض لازم ہے، پھر اگر جمہور یا حکومت نے جبراً ان کو دبا کر ان کی خواہشات سے روکا تو ان کا قانون مساوات ٹوٹ گیا کہ جبراً ان کے حق مساوات کو سلب کیا، ثابت ہوا کہ ان کا یہ قانون باطل ہے، اس لیے کہ اگر تمام افراد قوم امور مذکورہ بالا میں یکساں ہوتے تو واقعی ملکیت املاک و حق تصرف تمام اشیاء میں مساوات کے مستحق ہوتے : ((وَاِذۡ لَيۡسَ فَلَيۡسَ)) سوم : اگر تمام افراد قوم کی رضا مندی سے ہر شخص کو صحیح طور پر جمہور کی انتخاب یعنی ارباب حکومت کا ہو تو واقعی حکومت کا ان پر حکم بجا ہے، مگر جب ثابت ہو چکا کہ سب کے مزاجوں میں امور مذکورہ بالا میں اختلاف شدید ہے تو رضا مندی سے سب کا اتفاق ناممکن ہے، اور جبر سے ان کا قانون مذکورہ ٹوٹ جاتا ہے۔

بات وہ منہ سے کہی ہے کہ بنائیے نہ بنے

بوجھ وہ سر پہ لیا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

چہارم : املاک و اسباب معیشت میں ہر شخص کا سامان ضروری لباس مرکب مکان رہائش۔ حتی کہ مل منافعہ بضعہ یعنی تصرف زوجہ پر بھی ایک قسم کی ملکیت ہے، پھر کیا ہر شخص کو افراد قوم سے اختیار ہے کہ جب چاہے اشیاء مذکورہ میں سے جس شخص کا ان پر قبضہ ہے، وہ بھی اس پر قابض ہو جائے، اور اپنے تصرف میں لائے۔ حتی کہ اس کی زوجہ کو بھی اس لیے کہ ہر شخص کا ہر شے میں حق تصرف مساوی ہے، ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اگر حکومت روکے تو ان کے حق تصرف کو سلب کرنا ظلم ہے، اور قانون بھی ٹوٹتا ہے، اور اگر نہ روکے تو فساد فی الارض لازم ہوتا ہے، اسی فساد فی الارض کی اصلاح اور نظام صالح کے لیے اللہ تعالیٰ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہتا ہے، اگر انسانی عقل ہی نظام صالح کے لیے کافی ہوتی تو پھر ارسال انبیاء کی ضرورت نہ ہوتی۔ ((وَاِذۡ لَيۡسَ فَلَيۡسَ)) پنجم : اگر کوئی شخص اشیائے مذکورہ بالا میں سے جو ارباب حکومت کے تصر میں ہیں، ان کی بلا اجازت ان پر اپنا قبضہ کر لے تو کیا ارباب حکومت اس کو روا رکھیں گے، اور گوارا کریں گے، ہر گز نہیں، تو کیو ماس لیے ہر شخص کا افراد قوم میں سے ہر شئے پر خواہ کسی کی ہو، ارباب حکومت ہوں، یا کوئی اور یکساں ہر شے میں حق تصرف مسوی ہے، کسی کی تخصیص نہیں، ورنہ توجیح بلا مرجح ہے، جو باطل ہے، ششم جب ثابت ہو چکا کہ تمام افراد قوم کے مزاجوں اور خواہشوں میں شدید اختلاف ہے، اور رضا مندی سے قوانین مذکورہ بالا پر صحیح انتخاب ناممکن ہیں تو پھر جمہور کی حکومت ہی خلاف عقل صریح ظلم ہے کہ بلا وجہ سب پر حکومت کریں، جب کہ ان کو کسی پر فوقیت کی کوئی وجہ نہیں تو یہ مساوات نہ ہوئی۔ صریح ظلم اور بے انصافی اور مساوات کا ابطال ہوا۔ ہفتم۔ اگر بالفرض ان قوانین مذکورہ بالا پر عمل کیا جائے، تو پھر ہر شخص کی محرمات ابدیہ کے علاوہ اس کی وجہ پر بھی ہر شخص کا حق تصرف ثابت ہو گا، تو پھر حلال و حرام زادہ میں کیا فرق ہو گا۔ کچھ بھی نہ ہو گا۔ کسی کی نسل صحیح نہ ہو گی۔ حرام زادگی کے علاوہ دیوثی کا بازار بھی گرم ہو

گا۔ اخلاق حسنہ کا نام ونشان نہ ہوگا۔ بدمعاشی سے فساد فی الارض کا دوردورہ ہوگا۔ پھر ایسے بدمعاشوں پر قیامت قائم ہوگی۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، کوئی ان سے پوچھے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہستی اور خالقیت وغیرہ شرائع کے قائل نہیں تو بتائیے آپ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی وغیرہ میں کیا فرق ہے کہ بعض سے رفع حاجت یا خواہش نفسانی جائز اور بعض سے ناجائز تو پھر اس پر کون سا برہان عقل ہے، ((یٰتُوْااِنْ کُنْتُمْ صٰادِقِیْنَ)) ہشتم: جب یہ لوگ دہریہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت خالقیت رزاقیت قیامت وغیرہ کے قائل ہی نہیں، تو پھر ان میں خداترسی یا رغبت ثواب یا خوف عذاب نہ ہوگا۔ اور خواہشات نفسایہ اور شہوات کا زور ہوگا۔ تو وہ بلاخوف بدمعاشی کریں گے۔ چنانچہ ارباب حکومت ہی سب سے زیادہ حصہ اس میں لیں گیں۔ تو پھر مساوات کہاں رہے گی۔ اور ابھی تجربہ کرکے دیکھ لیجئے۔ جہاں اس کا چرچا ہے وہاں رعایا کو حکومت نے قید کر رکھا ہے، املاک جبراً سلب کرلیے ہیں، ذرا کسی نے انکار کیا مار مار کر بھس بھر دیا۔ سخت سے سخت سزا قید وغیرہ دی۔ ان کی سری آزادی سلب کر رکھی ہے، جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں، اور وہ بے چارے بے بس ہیں۔ نہم: اول تو یہ لوگ حلال وحرام جائز وناجائز کو جانتے ہی نہیں۔ نہ یہ جانتے ہیں کہ انصاف وعدل کیا ہے، اور بے انصافی وظلم کیا ہے، اس لیے کہ ان امور کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا کہ آپس میں ایک دوسرے سے کیا کیا حقوق ہیں، کیا کیا مراتب ہیں، عدل کیا ہے ظلم کیا ہے، عدل اور ظلم کا علم مراتب حقوق پر موقوف ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، جا خالق الکل ہے، ایسے ہی مساوات کا علم بھی اسی کو ہے، اس لیے کہ یہ حقوق مراتب، اس کے علم پر موقوف ہیں، اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک لہ کو حاصل ہیں، اسی لیے اس نے انبیاء کو بھیج کر ان پر کتب نازل کرکے سب امور کی تفصیل بتادی، جو قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں ہے بس مساوات عقلی بھی اور شرعی بھی کہ ہر ذی حق کو جس جس کو اللہ تعالیٰ نے جو جو حقوق عطا کیے ہیں وہ ان کو دیئے جائیں، یہ ہے انصاف اور مساوات وہم۔ یہ لوگ جن قوانین پر چلانا چاہتے ہیں کیا یہ تاریخ سے ثابت کرسکتے ہیں، جہاں کہیں بھی شبہ ہوگا وہاں صریح جبر واستبداد وظلم ثابت ہوگا، اور بس یہ قوانین کیا ہیں، وسواس شیطاطین ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا علاج بتایا ہے۔ پڑھو:۔ {رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنَ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنَ} وایضاً، {قُلْ اَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِالنَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ} (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسلام نے بڑے اہم پروگرام بنائے ہیں، جب سوسائٹی غیر منظم ہو تو خیرات پر زور دیا ہے، اور ساتھ ہی زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی بہتر تقسیم کی صورت پیدا کی ہے، یہاں تک زور دیا ہے کہ قرب وجواب کے ننگوں اور بھوکوں کو کھانا کپڑا دینے کو اللہ تعالیٰ نے خود اللہ کو کھانا کپڑا دینے کے مترادف قرار دیا ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا، میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا۔ اس پر لوگ کہیں گے کہ اے اللہ تو تو بھوک سے بے نیاز ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تو بھوکا ہو۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرے بندے بھوکے تھے، تو گویا میں ہی بھوکا تھا، ان کو تم نے کھانا نہیں دیا گویا مجھے نہیں دیا۔ اسی روٹی کے مسئلے پر زور دینے کے لیے ((اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ)) ''خلق اللہ کا خاندان ہے۔'' کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ یہاں ایک اور اصولی بات کی طرف اشارہ ضروری ہے، قرآن کی ایک آیت ہے:

{وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا}

''زمین پر کوئی ذی حیات چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے۔''

اس آیت کا رائج الوقت مطلب تو ظاہراً غلط ہے، کیونکہ ۱۹۴۳ء کے بنگال کے قحط میں ۴۵ لاکھ آدمی بھوک سے مرگئے، ان میں مسلم ومشرک، نیک وبد، عورت اور بچے سب ہی تھے، اور یوں بھی دنیا کے ہر گوشہ میں آج کل کھانا نہ ملنے سے مراہی کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ جو مطلب آیت کا لیا گیا وہ غلط تھا، اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر رزق کی ذمہ داری ضرور ہے، مگر یہ ذمہ داری خلافت الٰہیہ کے ذریعہ پوری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلیفۃ اللہ بنایا ہے۔

{اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً}

''ہم نے زمین پر انسان کو اپنا نائب بنایا۔''

پا زمین پر خلاف الٰہیہ قائم کرنی چاہیے، اس خلافت الٰہیہ پر رزق کی ذمہ داری آجاتی ہے، یاد رہے کہ یہ ذمہ داری انسان پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے، انسان کا فرض ہے کہ وہ قوانین الٰہی کے مطابق اپنا نظام درست کرے، اگر وہ ایسا کرے گا، تو بنی نوح انسان میجو روٹی کا سوال حل ہوجائے گا، اور ہر انسان کے رزق کی ذمہ داری قانون الٰہی کے مطابق پوری ہوتی ہرے گی، لیکن اگر انسان نے بغاوت کی، اور اللہ کے خلاف نظام طاغوتی بنانا شروع کردیا تو یہ ذمہ داری پوری کرنے والوں کی مشنری ٹوٹ جاتی ہے، اور بھوک کی مصیبت عذاب بن کر نازل ہونے لگتی ہے، سوسائٹی کو سزا ملتی ہے، جن قوانین الٰہیہ پر چلنا رزق کے عام حصول کے لیے خلافت الٰہیہ کے اصول پر ضروری تھا کہ ان کے توڑنے سے قحط واقع ہوجاتا ہے، اور لوگ مرتے ہیں، قحط عموماً بلکہ ہمیشہ انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے، جو قحط برسات کی کمی کے باعث پڑتا ہے، اس کی ذمہ داری بھی حضرت انسان پر آتی ہے، کیوں کہ ہو آبپاشی کے دوسرے ذرائع نقل وحمل کے وسائل نہیں استعمال کرتا۔ تصور یہ ہے کہ انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے، اللہ تعالیٰ نے خلافت الٰہیہ کے قوانین بنادیئے ہیں، ان پر عمل کرنے کے بعد دنیا میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا، جب سوسائٹی غیر منظم ہو یعنی روتی کا مسئلہ الجھا ہوا ہو تو ضروری امداد (ریلیف) کے لیے قرآن نے بھی اور حدیث میں بھی بھوکوں کو کھانا

کھلانے کی اہمیت نماز سے زیادہ رکھی ہے، قرآن کی مشہور آیت ہے :

{لَیْسَ الْبِرَّ اَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ}

''ایمان یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو، بلکہ ایمان تو یہ ہے کہ آدمی اللہ پر ایمان لائے، اور یوم آخر ملائکہ اور کتاب اور نبیین اور اپنا مال اللہ کی محبت میں ذوی القربیٰ والیتیمی والمساکین مسافروں، اور سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے دے، اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے۔''

اس آیت میں نماز سے بھی پہلے عزیز واقارب اور مساکین وغیرہ کو دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور نماز و زکوۃ سے بھی پہلے ان چیزوں کو ایمان بتایا گیا ہے، حدیث میں لفظ ''بر'' کی تشریح ایمان ہی سے کی گئی ہے، اس آیت میں ایمان کی تشریح میں نماز کو غرباء اور مساکین کی امداد کے بعد کا درجہ دیا گیا ہے، اس آیت کی بنیاد پر ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت ہنگامہ برپا کیا تھا۔ بعض صحابہ نے رائے دی تھی، کہ جس شخص نے زکوۃ اپنے مال کی دے دی، اور کچھ دے یا نہ دے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن ابوذر اسی آیت کا حوالہ دے کر کہتے تھے کہ نہیں زکوۃ سے پہلے اسے ذوی القربیٰ مساکین وغیرہ کے مرحلوں سے گزرنا ہوگا، اگر اس نے اس دینے میں کمی کی تو اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ حضرت ابوذر کا استدلال صحیح تھا یہ کھلی حقیقت ہے، دوسرے صحابہ کا استدلال ان احادیث پر مبنی تھا، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوۃ دینے کے بعد سارا مال پاک ہوجاتا ہے، اور اسے جمع کیا جائے تو وہ کنز نہیں کہلائے گا، اور اس کے لیے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ یہ استدلال صرف اسی حالت میں صحیح ہوسکتا ہے، جب کہ ذوی القربیٰ مساکین اور دوسرے گروہ احتیاج کی مصیبت میں بتلا نہ ہوں، اگر یہ لوگ محتاج ہیں تو صرف زکوۃ کافی نہیں بلکہ انسان کو اس سے زیادہ بھی دینا پڑے گا۔ اور ایسا بھی ایک وقت آسکتا ہے، کہ اسٹیٹ یا جماعت انسان کا سب کچھ چھین لے۔ اور صرف فوری خرچ کے لیے چھوڑ دے، قرآن مجید کی آیت بالکل واضح ہے : {يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ} ''اے رسول وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا دے دیں، ان سے کہہ دو کہ جتنا فوری ذاتی ضروریات سے زیادہ ہو وہ سب دے ڈالو۔'' اس آیت میں روٹی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اور اس اصول کو قائم کرنے کے لیے کہ تمام ملکیت کی مالک دراصل قوم ہے، ایک انتہائی علاج تجویز کیا ہے، صحابہ نے رسول اللہؐ سے یکے بعد دیگرے سوالات کیے تھے۔ کہ یا رسول اللہ جس کے پاس فلاں فلاں چیز ہو وہ بھی دے دے۔ آخر صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم سمجھ گئے کہ ہمارا مالکانہ حق صرف ہماری فوری ضروریات پوری کرنے والی چیزوں پر ہے، باقی سب اللہ کے لیے ہے۔

اسلام روٹی کے مسئلہ کو حل کرنے پر انتہائی اقدام کا حکم دیتا ہے، اگر کوئی اسٹیٹ روٹی کے مسئلہ کو حل نہیں کرسکتی وہ اسلامی سٹیٹ کہلانے کی مستحق نہیں ہے کیونکہ خلافت الٰہیہ کا پہلا فرض دنیا میں رزق کی ذمہ داری پوری کرنا ہے، رسول اللہؐ کے زمانے میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے صرف اصول طے پائے تھے، اتنا موقعہ نہ ملا کہ تفصیلات طے پا جائیں۔ لیکن حضرت عمر کے دور میں بعض تفصیلات کی تعیین ہوئی۔ لیکن تفصیلات ہر دور میں اصول کے تحت بدلا کرتی ہیں۔ آج کے حلات میں یہ تفصیلات اور ہوں گی۔ یہ کام ارباب حل وعقد کا ہے کہ خلاف الٰہیہ کے مقصد کی تکمیل کا مسئلہ اسلامی زندگی میں بنیادی مسئلہ ہے، اور جو لوگ اسے اللہ پر چھوڑ کر پہلو تہی کرنا چاہتے ہیں، وہ خلافت الٰہیہ کی مشینری کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ (از قلم مولوی حافظ علی بہادر صاحب بمبئی (پیام اسلام) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول : ص ۴۳۹)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

تشریحات

از مولینا حافظ محمد اسحاق شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ شیش محل روڈ لاہور

زکوۃ کی فرضیت

زکوۃ اسلام کی ایک عبادت اور اس کے ارکان خمسہ سے تیسرا اہم رکن ہے، جس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے، اسے انکار زکوۃ سے فوراً توبہ کرنی چاہیے ورنہ قتل کا مستوجب ہے۔ ((يُسْتَتَابُ ثَلَاثًا فَاِنْ تَابَ وَاِنْ لَاقُتِلَ)) (مغنی لابن قدامہ)

زکوٰۃ کی فرضیت :

کتاب وسنت میں زکوٰۃ کی فرضیت پر دلالت کرنے والی اس قدر آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں، کہ ان سب کے بیان کرنے کےلیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی آیات :

{وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ} (البقرہ : ۴۳)

''نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھو)

۲ : کفار کے متعلق فرمایا :

{فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ} (توبۃ : ۵)

''اگر یہ کفر سے توبہ کریں نماز کے پابند ہوجائیں، اور زکوٰۃ دیں، تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

یعنی اب وہ تمہارے ہم مذہب اور مسلمان ہیں، ان کے قتل سے ہاتھ روک لو، جیسا کہ آگے چل کر فرمایا :

{فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ} (التوبۃ : ۱۱)

''اگر یہ لوگ کفر چھوڑ دیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، تو پھر یہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔'' (ان کا حکم وہی ہے جو تمہارا ہے۔)

۳ : خدا خوف لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

{الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ} (البقرۃ : ۳)

''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں۔''

فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی احادیث :

(۱) ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (بخاری شریف)

''عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، آنحضرت ﷺ نے فرمایا : اسلام کی بنا پانچ ستونوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں، اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، (۲) نماز قائم کرنا، (۳) زکوٰۃ دینا، (۴) حج کرنا، (۵) رمضان شریف کے روزے رکھنا۔''

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب آنحضرت ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، تو فرمایا تم ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو، جو اہل کتاب ہے، پہلے انہیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور میری رسالت قبول کرنے کی دعوت دینا، اگر مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر یہ بھی تسلیم کرلیں، تو انہیں اطلاع دینا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالداروں سے لے کر غرباء و مساکین میں تقسیم کردی جائے گی، اگر وہ اس پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے بہترین مال لینے سے پرہیز کرنا، اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی قبولیت میں کوئی پردہ نہیں۔ (متفق علیہ)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک اعرابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، اور کہنے لگا، یا حضرت مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے کہ اس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، فرض نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ دو، اور رمضان شریف کے روزے رکھو، یہ سن کر اعرابی بولا، جس خدا کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی قسم! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کروں گا، جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا : جسے جنتی آدمی دیکھنا پسند ہو، وہ اسے دیکھ لے۔ (بخاری شریف)

(۴) جب آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد زکوۃ دینے سے انکار کرنے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعض عرب قبائل کے خلاف اعلان جنگ کا فیصلہ کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزاحمت کی، اور کہا آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں، جب کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے، کہ مجھے لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ کر اسلام میں داخل نہیں ہو جاتے جس نے یہ کلمہ کہہ لیا، اس نے بجز اسلام کے حقوق کے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیا، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گیا، اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا، جو لوگ نماز اور زکوۃ میں فرق کریں گے ان سے لڑوں گا، زکوۃ مال کا حق ہے، جو کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا، بخدا! اگر وہ مجھے ایک رسی دینے سے انکار کریں گے، جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے، تو میں اس کے روکنے پر بھی ان سے لڑوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم! یہ سن کر میں مطمئن ہو گیا، اور مجھے یقین آ گیا، کہ یہی بات حق ہے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے۔ (بخاری شریف)

زکوۃ کا معنیٰ:

لغت میں زکوۃ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے، بڑھنا، اور پاک وصاف ہونا، سال گزرنے کے بعد جو حصہ بطور وجوب اور فرض ادا کیا اجتا ہے، ان ہی دو معنوں کے پیش نظر اسے زکوۃ کہا جاتا ہے، کیونکہ اس سے دینے والے کی نیکیاں بڑھتی ہیں، اور اس کے مال میں برکت ہوتی ہے، نیز ہو خود گناہ و رزیلہ بخل سے اور اس کا مال غرباء و مساکین کا حق نکل جانے کی بنا پر خبث و حرام سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، چنانہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا} (التوبۃ: ۱۰۳)

''اے نبی! زکوۃ لے کر ان کے جان ومال کا تزکیہ کرو، اور ان کو پاک وصاف بنا دو۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ لَنْ یَفْرِضِ الزَّکٰوۃَ اِلَّا لِیُطَیِّبَ مَا بَقِیَ مِنْ اَمْوَالِکُمْ))

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے باقی ماندہ مال کو پاک وصاف کرنے کے لیے تم پر زکوۃ فرض کی ہے۔''

اور ایک حدیث میں آیا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّکٰوۃُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَھْلَکَتْہُ۔ رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ فِیْ تَارِیْخِہٖ وَقِلَ یَکُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَیْکَ صَدَقَۃٌ فَلَا تُخْرِجُھَا فَیُھْلِکُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ)) (مشکوۃ)

''زکوۃ کسی مال میں بھی مخلوط نہیں ہوتی، مگر اسے ہلاک کر ڈالتی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وجاب ہو جانے کے بعد جس مال سے تم زکوۃ نہیں نکالتے، اس میں حرام کی آمیزش ہو جاتی ہے، جو کسی وقت بھی حلال مال کو لے ڈوبے گی۔''

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے کلام سے معلوم ہوا کہ وجوب کے بعد زکوۃ نہ دینے سے مال ناپاک ہو جاتا ہے اور حرام سے مخلوط مال کا نتیجہ زود یا بدری ہلاکت ہے، اور زکوۃ دینے سے نہ صرف مال پاک وصاف ہو جاتا ہے، بلکہ معنوی طور پر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت کا نزول شروع ہو جاتا ہے۔

فرضی و نفلی صدقہ دینے سے مال میں برکت:

جو شخص خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اپنے مال سے غرباء و مساکین کا حق نکال دیتا ہے، عام اس سے کہ وہ حق فرض زکوۃ کی شکل میں ہو، یا نفلی صدقہ و خیرات کی صورت میں اس کے مال میں برکت اور ترقی ہوتی ہے، صبح و شام ملائکہ اس کے مال میں زیادتی کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، جو کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس ترقی کا وعدہ فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں اس کو دہرایا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

(۱) {يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ} (بقرۃ)

''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات و خیرات کو بڑھاتا ہے۔''

(۲) سورت روم میں اس کی مزید وضاحت یوں فرمائی ہے :

{وَمَآ ءَاتَيۡتُم مِّن رِّبٗا لِّيَرۡبُوَاْ فِيٓ أَمۡوَٰلِ ٱلنَّاسِ فَلَا يَرۡبُواْ عِندَ ٱللَّهِۖ وَمَآ ءَاتَيۡتُم مِّن زَكَوٰةٖ تُرِيدُونَ وَجۡهَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُضۡعِفُونَ} (روم : ۳۹)

''اور لوگوں کے مال میں زیادتی کرنے کے لیے جو سود تم دیتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادتی نہیں ہوتی، ہاں اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے تم جو زکوۃ دیتے ہو، تو ایسے لوگ کئی گنا مال اور کئی گنا اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔''

(۳) {مَّثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمۡوَٰلَهُمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٖ مِّاْئَةُ حَبَّةٖۗ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُۚ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ} (البقرۃ : ۲۶۱)

''جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانہ بویا جائے، جس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں، (ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ جس کے مال کو چاہتا ہے، اس سے بھی کئی گناہ زیادہ کر دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ وسعت اور علم والا ہے۔''

حدیث پاک میں آیا ہے :

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ایک دفعہ ایک آدمی بیابان جنگل سے گزر رہا تھا، اس نے بادل سے آواز سنی : فلاں شخص کے باغ کو پانی دو، ادھر دیکھتا ہے کہ بادل ایک طرف ہٹ گیا، اور کھلے میدان میں برسنے لگا، وہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ اس میدان کی تمام چھوٹی موٹی ندی نالوں کا پانی جمع ہو کر ایک بڑے نالے میں بہنے لگا ہے، وہ بھی اس پانی کے پیچھے ہو لیا، آگے چل کر ایک باغ آیا، اس نے دیکھا کہ باغ کا مالک اپنے کھیتوں کو پانی دے رہا ہے، ایک کھیت بھر جاتا ہے، تو پانی دوسرے کھیت کی طرف کر دیتا ہے، مسافر نے اس سے پوچھا، بھائی باغ والے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو مسافر نے بادل سے سنا تھا، پھر باغ والا بولا، اللہ کے بندے، آپ نے میرا نام کیوں پوچھا ہے، مسافر نے کہا، جس بادل کا یہ پانی آرہا ہے، اس سے میں نے سنا، کہ کوئی تمہارا نام لے کر کہہ رہا ہے : ''فلاں آدمی کے باغ کو پانی دو۔'' اب بتائیے، آپ اس میں کیا عمل کرتے ہیں، کہ اس کو پانی دینے کے لیے بادلوں کو حکم مل رہا ہے، باغ کے مالک نے کہا، جب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے، تو سنئیے! میں اس کی پیداوار کو تین برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہوں، ایک حصہ سائلین، مسافروں اور مسکینوں میں خرچ کرتا ہوں، ایک حصہ سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں، تیسرا حصہ اس باغ کی اصلاح اور دیکھ بھال میں لگا دیتا ہوں۔ (مشکوۃ از صحیح مسلم)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو تمیم کے ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا : یا رسول اللہ میں مالدار ہوں، اہل و عیال بھی رکھتا ہوں، اور میرے گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت بھی اکثر رہتی ہے، فرمائیے میں اپنا مال کس طرح خرچ کروں، اور اس میں کیا طریقہ اختیار کروں آپ نے فرمایا : اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو، یہ تمہارے مال کو خبث و ناپاکی سے اور تمہیں بخل اور گناہوں سے پاک کر دے گی، اس کے علاوہ اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو، سائلین، ہمسایوں اور مسکینوں کے حقوق کی نگاہ داشت رکھو، وہ بولا یا رسول اللہ! ذرا مختصر بیان فرمائیے، آپ نے فرمایا :

{فَـَٔاتِ ذَا ٱلۡقُرۡبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلۡمِسۡكِينَ وَٱبۡنَ ٱلسَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيرًا} (الاسرائیل)

(۳) حضرت ابو کبشہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : میں تین چیزوں پر قسم کھاتا ہوں انہیں یاد رکھو، ایک یہ کہ صدقہ کرنے سے کبھی مال میں کمی نہیں آتی، تیسرے یہ کہ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی اور محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (ترمذی)

(۴) حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دائیں بائیں دو فرشتے ہوتے ہیں، وہ منادی کرتے ہیں، جسے جنوں اور انسانوں کے بغیر تمام اہل زمین سنتے ہیں، اے لوگو اپنے رب کی طرف آ ؤ (اپنے فالتو مال اس کی راہ میں خرچ کرو، زکوۃ و خیرات کے بعد) جو تھوڑا بہت بچ جائے، اور صاحب مال کی ضرورت پورا کرنے کے لیے کافی ہو، وہ اس کثیر سرمائے سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور نیکیوں میں صرف کرنے سے غافل کر دے، اسی طرح جب سورج غروب ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ دائیں بائیں دو فرشتے منادی کرتے ہیں، جسے جنوں اور انسانوں کے بغیر تمام اہل زمین سنتے ہیں۔

((اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَّاَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا)) (مسند احمد و ابن حبان و حاکم، بحوالہ تبویب المسند : ص ۱۸۵/۸)

''یعنی اے اللہ! اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کو خلیفہ (ثواب اور مال دے) اور بخل کی بنا پر مال بند رکھنے والے کو ضائع کر۔''

(۵) حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ صدقات قبول فرماتا ہے، اور ان کو دائیں ہاتھ میں لے کر اس طرح بڑھاتا ہے، جس طرح تم اپنے بچھڑے یا اونٹ کے بچے کو پالتے ہو (جو تھوڑے عرصہ کے بعد ایک تنومند اور قوی ہیکل گھوڑا یا اونٹ بنا جاتا ہے، اسی طرح ایک حقیر لقمہ احد پہاڑ جتنا بڑا ہو جاتا ہے، امام وکیع کہتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہے، جو یہ ہے :

((وَهُوَالَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَیَمْحَقُ اللہُ الرِّبٰواوَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ)) (تبویب المسند بحوالہ مسند احمد و ترمذی)

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، اور ان کے صدقات کو پکڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے، اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مومن حلال مال سے صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حلال مال ہی کو قبول فرماتا ہے، اور حلال مال ہی آسمان پر پہنچ کر شرف پذیرائی حاصل کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، اور اس کو اس طرح بڑھاتا ہے، جس طرح تم اپنے بچھیرے اونٹ کے بچے کو پالتے ہو، حتی کہ ایک کھجور ایک پہاڑ جتنی بڑی ہو جاتی ہے۔ (صحیحین)

چند مبادیات

زکوٰۃ حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی مالی عبادت ہے، اور اسلام کا ایک اہم رکن لیکن واقعاتی اعتبار سے دیکھا جائے، تو اس کو اجتماعی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی قوم مالی استحکام کے بغیر متمدن اور ترقی یافتہ کہلانے کی مستحق نہیں ہے، لہذا تفصیلات اور احکام بیان کرنے سے پہلے چند مبادی کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے، جن کے ذہن نشین کرنے سے بصیرت پیدا ہوگی، اور آئندہ بیان ہونے والے مسائل کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اولاً:... شریعت اسلامیہ نے مندرجہ ذیل چار قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جن کے ساتھ انسانی ضروریات وابستہ ہیں، اور زندگی میں ہر آدمی ان کا محتاج ہے۔

۱۔ بہائم، چوپائے، جانور، اونٹ، گائے، بکری وغیرہ۔

۲۔ سونا، چاندی، نقود و زیورات وغیرہ

۳۔ ہر قسم کا تجارتی مال، جس میں تجارت کی شرعاً اجازت ہے۔

۴۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں، اجناس خوردنی پھل اور تیل نکالنے کے بیج۔

ثانیاً:... چونکہ شریعت نے زکوٰۃ مالداروں پر فرض کی ہے، تاکہ ان کے مال کا کچھ حصہ ہر سال غرباء و مساکین کی ضروریات پر صرف کیا جاسکے، لہذا ہر قسم کے مال زکوٰۃ کا نصاب مقرر کر دیا گیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص کسی قسم کے نصاب کا مالک ہے، وہ غنی ہے، اور اس پر اپنے مال کی زکوٰۃ دینا فرض ہے، اور جس کے پاس کوئی بھی نصاب نہیں، وہ فقیر ہے، اور مصرف زکوٰۃ ہے۔

مذکورہ بالا چار قسم کے مال کے نصاب کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اونٹ کے لیے پانچ اونٹ، گائے کے لیے تیس گائے، بھیڑ، بکری اور دنبہ کے لیے چالیس بکریاں جسامت اور حجم کے اختلاف کی بنا پر ان جانوروں کے نصاب میں بھی اختلاف ہے۔

۲۔ چاندی کے لیے ۲۰۰ درہم (تقریباً ۵۲ ۱/۲ تولہ)

۳۔ مال تجارت کی قیمت جس نقدی سے لگائی جائے، اس کا نصاب اسی نقدی کا نصاب ہے، اگر اس کی قیمت دراہم سے لگائی جائے، تو نصاب ۲۰۰ درہم ہے، اور اگر دینار سے نکالی جائے تو نصاب ۲۰ دینار ہے۔

۴۔ زمین سے پیدا ہونے والے غلہ کا نصاب ۵ وسق ہے جس کا وزن تقریباً ۲۰ من ہے۔

ثالثاً:... شریعت مطہرہ نے زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی ہے، اور اس میں اغنیاء اور غرباء و مساکین دونوں کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے اگر یہ مدت مثلاً ایک ہفتہ یا ایک مہینہ مقرر کی جاتی، تو اس صورت میں مالداروں پر ناقابل برداشت بوجھ پڑتا، اور اگر حج کی طرح زکوٰۃ عمر میں صرف ایک دفعہ فرض کی جاتی، تو غرباء و مساکین کے لیے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنا مشکل ہو جاتا۔

ملحوظہ:

یادرہے، سال کی مدت کا اطلاق زمین سے نکلنے والی اشیاء کے علاوہ باقی تین قسم کے اموال پر ہوتا ہے، زمین سے پیدا ہونے والے غلہ یا زمین سے نکلنے والی معدنیات (سونا، چاندی، لوہا، تانبہ، قلعی، کوئلہ اور نمک وغیرہ) یا دفینہ کی زکوٰۃ اسی وقت دینی پڑتی ہے، جب یہ چیزیں حاصل ہوں، ان میں سال کی شرط نہیں۔

رابعاً:... زکوٰۃ شرعی کی مقدار میں کمی بیشی، مال کی تحصیل میں سہولت اور مشقت پر مبنی ہے، جس مال کے حصول میں آسانی اور سہولت پائی جاتی ہے، اس میں مقدار زکوٰۃ زیادہ ہے اور جس کے حصول میں مشقت اور تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، اس میں زکوٰۃ کی مقدار کم ہے، جیسے کسی کو کنواں یا گڑھا کھودتے وقت دفینہ مل جائے، تو اسے یہ مال مفت میں مل گیا ہے، کوئی تکلیف نہیں اٹھانا پڑی، اس لیے دفینہ پانے والے کو کل مال کا پانچواں حصہ (۲۰%) دینا پڑتا ہے، کھیتی باڑی میں چونکہ مشقت زیادہ کرنی پڑتی ہے، لہٰذا اس کی پیداوار میں مقدار زکوٰۃ پانچویں حصہ سے کم کر کے دسواں حصہ (۱۰%) مقرر کر دی گئی ہے، بشرطیکہ کھیتی بارش یا چشمہ کے پانی سے تیار ہوئی ہو، اور اگر کھیتی تیار کرنے کے لیے ٹیوب ویل یا رہٹ وغیرہ مصنوعی آلات کے ذریعہ آبپاشی کی گئی ہے، تو مقدار زکوٰۃ دسویں حصہ سے بھی کم ہو کر بیسواں حصہ (۵%) رہ جاتی ہے۔

مال تجارت کے حصول میں ان تمام مذکورہ صورتوں میں زیادہ مشقت اٹھانا پڑتی ہے، مال خریدنے یا بیچنے کے لیے مختلف شہروں اور ملکوں کا سفر کرنا پڑتا ہے، جس سے دین کا چین اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے، خسارے، سرقہ اور ڈاکے وغیرہ کا خطرہ اس کے علاوہ ہے، نیز تاجر کی یہ دوڑ دھوپ مسلسل او رمتواتر جاری رہتی ہے، اسے آرام کا وقفہ کم ہی ملتا ہے، لہٰذا ان تمام آلام و مصّئب کے پیش نظر تاجر کے مال میں زکوٰۃ بیسویں حصہ سے گھٹا کر چالیسواں حصہ (۲ ۱/۲%) حصہ فرض کی گئی ہے۔

احکام زکوٰۃ کی تفصیل:

ان مبادی کے ذہن نشین کر لینے کے بعد اب مذکورہ بالا چار قسم کے اموال کی زکوٰۃ سے متعلق مختصر تفصیلی احکام ترتیب وار ملاحظہ فرمائیے۔

ا۔ بہائم:

آنحضرت ﷺ نے حاجت مندوں کی ضرورتوں کو رفع کرنے، اور اسلام کا معاشی نظام مضبوط بنانے کے لیے جہاں سونے چاندی کے مالکوں، زراعت پیشہ لوگوں اور تجارتی کاروبار کرنے والوں کے مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، وہاں مویشیوں کے ریوڑ پالنے والوں کو بھی فراموش نہیں کیا، ان کے مال میں بھی زکوٰۃ فرض کی ہے، کیونکہ یہ ریوڑ ان لوگوں کی خوشحالی اور دولت مندی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، یہ لوگ دودھ، گھی، اون، چمڑے اور فالتوں جانور بیچ کر ہر سال لاکھوں روپے کماتے ہیں، اور بڑی فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے ہیں، لہٰذا دوسرے لوگوں کی طرح یہ بھی زکوٰۃ سے کسی صورت مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

مویشیوں میں زکوٰۃ فرض ہونے کی شرطیں:

ہر قسم کے مویشیوں میں زکوٰۃ فرض ہونے کی دو شرطیں ہیں، یہ دونوں پائی جائیں، تو زکوٰۃ فرض ہوگی، ورنہ نہیں، پہلی شرط یہ ہے، کہ نصاب کو پہنچنے کے بعد ان پر ایک سا گزر جائے، دوسری یہ کہ ان کی زندگی اور بقا کا انحصار سارا سال یا سال کا بیشتر حصہ وادیوں، جنگلوں اور پہاڑوں میں خودرو گھاس چرنے پر ہو، اگر کچھ دن یا نصف سال سے کم عرصہ کے لیے گھر پر چارہ ڈالا جائے، تو زکوٰۃ کی فرضیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ہاں اگر سال بھر یا سال کا بیشتر حصہ گھر پر چارہ ڈالا جائے، یا مالک نے ان (بیلوں یا اونٹوں کی صورت میں) زرعی کاروبار یا بوجھ برداری کے لیے رکھا ہوا ہے، تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

بعض ائمہ پورا سال جنگل میں چرنے کی شرط لگاتے ہیں، ان کے نزدیک اگر چند دن بھی اگر پر چارہ ڈالا گیا، تو زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی، مگر یہ مسلک صحیح نہیں اس سے زکوٰۃ سے گریز کرنے والے بڑی آسانی کے ساتھ خیلہ سازی کریں گے، اور اپنے جانوروں کو چند دن گھر میں چارہ ڈال کر زکوٰۃ کے بارے سبکدوش ہو جائیں گے۔

مویشیوں سے زکوٰۃ نہ دینے پر وعید:

دوسرے اموال کی طرح آنحضرت ﷺ نے مویشیوں میں بھی زکوٰۃ فرض کی ہے، اوراس پر تمام امت کا اجماع ہے، ان سے زکوٰۃ نہ دینے والے کے حق میں حدیث پاک میں سخت وعید آئی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے:

((عَنْ اَبِیْ ذَرٍ عَنِ النَّبِیَّ ﷺ قَلَ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَّکُوْنُ لَہ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا یُوَدِّیْ حَقَّہَا اِلَّا اُتِیَ بِہَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَعْظَمَ مَا یَکُوْنُ وَاَسْمَنَہ تَطَأُہٗ بِاَخْفَافِہَا وَتَنْطَحُہ بِقُرُوْنِہَا کُلَّمَا جَازَتْ اُخْرٰہَا رُدَّتْ عَلَیْہِ اُوْلٰہَا حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ)) (صحیحین)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اونٹ، گائے یا بکریوں کا مالک اگران کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، توقیامت کے دن یہ جانور دنیا کی نسبت زیادہ قد آور اور زیادہ فربہ اس کے سامنے لائے جائیں گے، وہ اس کو سینگوں سے مارتے ہوئے، اور پیروں تلے کچلتے ہوئے گذریں گے، جب آخر والے ختم ہوجائیں گے، تو پہلے پھر اسی طرح گذرنا شروع ہوجائیں گے، اور لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک اس کا یہی حال ہوتا رہے گا۔''

ایک دوسری حدیث میں، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اس کی زیادہ تفصیل ہے۔ (مشکوٰۃ)

((قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَالْاِبِلُ قَلَ وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَا یُوَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا وَمِنْ حَقِّہَا حَلْبُہَا یَوْمَ وِرْدِہَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بُطِحَ لَہ بِقَعٍ قَرْقَرٍ اَوْ فَرَمَا کَانَتْ لَا یَفْقِدُ مِنْہَا فَصِیْلًا وَاحِدًا تَطَؤُہٗ بِاَخْفَافِہَا وَتَعَضُّہ بِاَفْوَاہِہَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ اُوْلَاہَا رُدَّ عَلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلُہ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ فَقَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ لَا یُوَدِّیْ مِنْہَا حَقَّہَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بُطِحَ لَہ بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَا یَفْقِدُ مِنْہَا کُلَّہَا مَرَّ عَلَیْہِ اُوْلٰہَا رُدَّ عَلَیْہِ اُخْرٰہَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلُہ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ)) (راوہ مسلم، مشکوٰۃ شریف)

''آنحضرت ﷺ مختلف اموال سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق وعید بیان فرما رہے تھے، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اونٹوں کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مالک اپنے اونٹوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، اور ان کے نفلی حقوق میں سے پانی پینے کے دن ان کا دودھ دوھ کر غرباء میں تقسیم کرنا ان بھی ایک حق ہے قیامت کے دن اسے ان کے سامنے ایک چٹیل میدان میں منہ کے بل لٹا دیا جائے گا، اور وہ اونٹ دنیا کی نسبت بہت موٹے تازے ہوں گے، ان میں سے ایک بچہ بھی غائب نہیں ہوگا، وہ اسے پیروں تلے روندیں گے، اور دانتوں سے کاٹیں گے، جب ایک دفعہ پوری قطار اس پر گذر جائے گی، تو پلٹ کر آخر کی طرف سے پھر اس پر مخالف سمت کو گذرنا شروع کر دیں گے، اور لوگوں کے درمیاں فیصلہ ہونے تک پچاس ہزار سال کے دن میں اس کا یہی حشر ہوتا رہے گا، پھر معلوم نہیں کہ اس کو جنت کا راستہ دکھایا جائے گا، یا جہنم کا، پھر کسی نے پوچھا، یا رسول اللہ! گائیوں اور بکریوں کے متعلق فرمائیے، ان کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: گائیوں اور بکریوں کا مالک بھی اگر ان کی زکوٰۃ نہیں دے گا، توقیامت کے دن ان کے آگے چٹیل میدان میں منہ کے بل گرا دیا جائے گا، سب گائیں اور بکریاں موجود ہوں گی ان میں سے کوئی گائے یا بکری غائب نہیں ہوگی، ان میں کوئی گائے یا بکری خمیدہ سینگوں والی نہیں ہوگی، نہ کوئی بغیر سینگوں کے ہو گی، اور نہ کسی کے سینگ ٹوٹے ہوں گے، وہ سب اسے اپنے سینگوں سے ماریں گی، اور کھروں سے نوچیں گی، جب ایک دفعہ پوری قطار اس پر گذر جائے گی، تو پلٹ کر آ کر کی طرف سے پھر اس پر گذرنا شروع کر دیں گی، لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک پچاس ہزار سال کے دن میں اس کا یہی حال ہوتا رہے گا، پھر معلوم نہیں کہ اسے جنت کا راستہ دکھایا جاء گا یا جہنم کا۔''

وہ بہائم جن کی زکوٰۃ لی جاتی ہے:

جن بہائم (چوپائے جانور) کی زکوٰۃ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفاء نے وصول کی ہے، اور آج تک اس پر تمام مسلمانوں کا عمل ہے تین قسم یہ ہی، اونٹ، گائے، بکری۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ میں بھینس، گائے کی، اور بھیڑ، دنبہ، بکری کی قسم شمار ہوتے ہیں، اس لیے ان کا نصاب اور زکوٰۃ وہی ہے، جو گائے اور بکری کا ہے، اب تینوں قسم کے جانوروں کی زکوٰۃ درج ذیل جدولوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

اونٹ کی زکوٰۃ کا جدول

۵ سے ۹تک ایک بکری

۱۰ سے ۱۴تک دو بکری

۱۵ سے ۱۹تک تین بکری

۲۰ سے ۲۴تک چار (۱) بکری

۲۵ سے ۳۵تک ایک بنت مخاص (۱سال کی اونٹنی)

۳۶ سے ۴۵تک ایک بنت لبون (۲سال کی اونٹنی)

۴۶ سے ۶۰تک ایک حقہ (۳سال کی اونٹنی)

۶۱ سے ۷۵تک ایک جذعہ (۴سال کی اونٹنی)

۷۸ سے ۹۰تک ۲ بنت لبون

۹۱ سے ۱۲۰تک ۲حقہ

(۱) بکری اگر بھیڑ یا دنبہ کی قسم سے دی جائے، تو جذعہ (ایک سال کی) کفایت کر سکتی ہے، اور اگر بکری کی قسم سے دی جائے، تو مسنہ (جس کے ساتھ دو دانت ٹوٹ کر آگ چکے ہوں) ضروری ہے، نیز مادہ لی جائے گی، نر قبول نہیں کیا جائے گا۔ ۱۲

۱۲۰ کے آگے ہر دس کے بعد کل تعداد چالیس اور پچاس کے دو ہندسوں پر تقسیم ہو جاتی ہے، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((فَإِنْ زَادَتْ عَلٰى مِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ فَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لُبُوْنٍ وَفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ))

''یعنی اگر اونٹ ۱۲۰ سے بڑھ جائیں، تو ہر چالیس میں بنت لبون اور ہر پچاس میں حقہ ہے۔''

آئندہ بھی یہی حساب ہزاروں لاکھوں تک جاری رہے گا، کسی موقعہ پر بھی ابتدائی نصاب کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، جیساکہ بعض ائمہ کا مذہب ہے، مثلاً ۱۲۰ پر ۱۰ اونٹ زیادہ ہوئے، تو ۱۳۰ ہو جائیں گے، یہ دو دفعہ ۴۰، اور ایک دفعہ ۵۰ پر تقسیم ہو جاتے ہیں، اس لیے ان میں دو بنت لبون اور ایک حقہ زکوۃ ہوگی، اور ۱۴۰ دو دفعہ ۵۰، اور ایک دفعہ ۴۰ پر تقسیم ہو جاتے ہیں، اس لیے ان میں دو حقے اور ایک بنت لبون دینا ہوگی، اور ۱۵۰ تین دفعہ ۵۰ پر تقسیم ہو جاتے ہیں، لہٰذا ان میں تین حقے ہوں گے و علی ہذا القیاس۔

نوٹ:... اگر زکوۃ میں بنت مخاص (ایک سال کی اونٹنی) آتی ہو، اور وہ مالک کے پاس نہیں ہے، اس کے پاس ابن لبون (دو سال کا نر اونٹ) ہے تو وہی لے لیا جائے گا، اور مالک کو کچھ واپس نہیں دیا جائے گا، اور اگر اس کے پاس بنت لبون (دو سال کی اونٹنی) ہے تو وہ بھی قبول کر لی جائے گی، مگر اب عامل مالک کو ۲ بکریاں یا ان کی قیمت واپس کرے گا، اسی طرح اگر زکوۃ میں بنت لبون آتی ہے، اور وہ موجود نہیں، تو اس کی جگہ بنت مخاص قبول کر لی جائے گی، لیکن اب مالک کو اس کے ساتھ دو بکریاں یا ان کی قیمت دینا ہوگی، اس سے آگے بھی زکوۃ میں لیے جانے والے جانور کی عمر ایک سال کی کمی و بیشی کی صورت میں اس طریقہ پر عمل کیا جائے گا، اگر عمر ایک سال کم ہوئی، تو مالک کو اس کے ساتھ ۲ بکریاں، یا ان کی قیمت دینا پڑے گی، اور اگر عمر ایک سال زیادہ ہوئی، تو عالم کو ہی کچھ دینا پڑے گا۔

ملحوظ:

ایک سال کی اونٹنی کے عوض دو سال کا نر لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ کسی صورت میں اونٹوں کی زکوۃ میں نر قبول نہیں کیا جائے گا، ہمیشہ مادہ ہی لی جائے گی۔

(۲) گائے کی زکوۃ

۳۰ سے ۳۹تک تبیع یا تبیعہ (ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی)

۴۰ سے ۵۹تک مسن یا مسنہ (۲سال کا نر یا مادہ جس کے دودھ کے دانت ٹوٹ چکے ہوں

۶۰ سے ۶۹تک ۳تبیع یا ۲تبیعہ

اونٹوں کی طرح یہاں بھی ۶۰ سے آگے ہر دس کے بعد کل تعداد ۳۰، اور ۴۰ کے دو ہندسوں پر تقسیم ہو جاتی ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق:

((يَأْخُذُ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعًا أَوْ تَبِيْعَةً وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً)) (مغنی ابن قدامہ و مشکوۃ بحوالہ سنن ابی داود)

یعنی ہر عامل ۳۰ گائیوں سے ایک سال کا نر یا مادہ اور ۴۰ سے مسنہ لے، ۷۰ سے ایک ایک سال کا نر یا مادہ اور ایک دو سال کا نر یا مادہ لیا جائے گا، ۸۰ سے ۲ سال کے نر ۹ یا مادہ، اور ۹۰

سے ۹۹تک، ۳۔ ایک سال کے نر یا مادہ وعلی ہذا القیاس۔
نوٹ :... گائے کی زکوٰۃ میں صرف تبیع اور مسن مقرر ہے، دوسرے کسی عمر کے جانور کا ذکر نہیں۔ ہاں مالک اپنی خوشی سے بڑی عمر جا جانور دے، تو جائز ہے، اس میں نر اور مادہ کا کوئی امتیاز نہیں، بعض علما کہتے ہیں کہ مسنہ ہر حال میں مادہ ہونی چاہیے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں مسنہ ہی کا ذکر ہے، مسن کا نہیں، مگر یہ درست نہیں، طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں مسن کا ذکر موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔
((فِیْ کُلِّ ثَلَاثِیْنَ تَبِیْعٌ وَفِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ مُسِنٌّ اَوْ مُسِنَّۃٌ)) (مرعاۃ المفاتیح ص ۶۹ ج ۳)
لہذا مختار یہی ہے کہ اونٹ کی طرح زکوٰۃ میں لی جانے والی گائے میں نر یا مادہ کا فرق نہیں ہے، جو موجود ہو، مالک ادا کر سکتا ہے۔

ملحوظ :

دو نصاب کے درمیان واقع ہونے والے عدد وقص کہلاتے ہیں، مثلاً ۲۰ اور ۴۰ کے درمیان، اسی طرح ۴۰ اور ۶۰ کے درمیان (وعلی ہذا القیاس) ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ۴۰ پر ایک گائے بڑھ جائے گی، تو اس میں مسنہ کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا پڑے گی، اگر مسنہ کی قیمت چالیس روپے ہے، تو ۴۰ کے بعد ایک گائے میں ایک روپیہ دینا پڑے گا، اسی طرح گائیں جتنی زیادہ ہوں گی، اتنے روپے دینے پڑیں گے، مگر یہ حدیث پاک کی تصریحات کے خلاف ہے، اس لیے صاحبین نے بھی امام صاحب کے ساتھ اتفاق نہیں کیا۔
(۳) بکریوں کی زکوٰۃ
۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری
۱۲۱ سے ۲۰۰ تک ۲ بکری
۲۰۱ سے ۳۰۰ تک ۳ بکری
اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے گی، چنانچہ ۳۹۹ میں بھی ۳ بکریاں ہیں، جیسا کہ ۳۰۰ میں تین بکریاں ہیں، ۴۰۰ پوری ہوں گی، تو ۴ بکریاں دینا پڑتی ہیں، ۵۰۰ ہوں گی تو ۵ بکریاں ہوں گی، اور ۵۰۰ سے کم ہوں گی، تو زکوٰۃ میں ۴ ہی بکریاں فرض ہوں گی، (وعلی ہذا القیاس) اس کے آگے جتنے سینکڑے پورے ہوں گے، اتنی بکریاں دی جائیں ی، جو سینکڑہ کم ہو گا، اس میں زکوٰۃ نہیں ہو گی۔

ملحوظ :

بکریوں میں بچے بھی شمار ہوں گے مگر بچے زکوٰۃ میں قبول نہیں کیے جائیں گے، زکوٰۃ میں صرف بھیڑ جذعہ (ایک سال کی) یا بکری مسنہ لی جائے گی۔

زکوٰۃ میں کیسا جانور لیا جائے :

مصدق سارے مال کو اعلیٰ ادنیٰ اور متوسط تین درجوں میں تقسیم کرے، اور متوسط درجہ سے زکوٰۃ لے، جس طرح آنحضرت ﷺ کے فرمان ((فَاِیَّاکَ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ)) (مشکوٰۃ از صحیحین) کے مطابق اعلیٰ قسم کا مال لینا منع ہے، اسی طرح آپ کے دوسرے فرمان ((وَلَا تُخْرَجُ فِی الصَّدَقَۃِ، ھَرِمَۃٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَیْسٌ اِلَّا اَنْ یشاء الْمُصَدِّقُ)) (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری) کے مطابق کوئی بوڑھا عیب دار سانڈھ قبول نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر مصدق (عامل) ان تینوں قسم کے جانور لینے میں فقراء ومساکین کا بھلا سمجھے، تو لے سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مالک اپنی رضامندی اور خوشی سے اعلیٰ قسم کا جانور دینا چاہے، تو دے سکتا ہے۔
حضرت ابن بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا' میں اونٹوں کے ایک مالک کے پاس گیا' اور اسے زکوٰۃ دینے کے لیے کہا' اس نے میرے سامنے لا کر سارے اونٹ جمع کر دیئے میں نے شمار کر کے کہا' ان کی زکوٰۃ ایک بنت مخاض بنتی ہے' اس پر وہ کہنے لگا اس کو لے کر کیا کرو گے' نہ

یہ سواری کے قابل ہے اور نہ ہی دودھ دے سکتی ہے ' اس کی بجائے یہ موٹی ' تازہ ' جوان اور قد آور اونٹنی لے جاؤ ' میں نے کہا میں یہ بغیر اجازت نہیں لے سکتا ' رسول اللہ ﷺ یہاں قریب ہی ہیں ' اگر تم چاہو ' تو میرے ساتھ چلو ' اور یہ اونٹنی آپ پر پیش کرو ' اگر آپ نے اجازت دے دی ' تو میں قبول کرلوں گا ورنہ رد کردوں گا چنانچہ ہم دونوں اونٹنی ساتھ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس نے کہا یا رسول اللہ! آج تک اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ یا ان کے عامل میرے پاس زکوٰۃ لینے کے لیے نہیں آئے آج پہلا موقعہ ہے کہ آپ کے یہ عامل آئے ہیں اور مجھ سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا ہے میں نے اپنا سارا مال ان کے سامنے لاکر جمع کردیا انہوں نے کہا اس سارے مال کی زکوٰۃ ایک بنت مخاض ہے میں عرض کیا یہ سواری اور دودھ دینے کے قابل نہیں اس کی بجائے یہ موٹی تازہ جوان اونٹنی لے جاؤ مگر یہ نہیں مانے اب میں اسے اے اللہ کے رسول! آپ کی خدمت میں لایا ہوں آپ اسے قبول فرمائیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے مال کی زکوٰۃ تو وہی بنت مخاض ہے جو ہمارے عامل نے بتائی ہے اب اگر تم اپنی مرضی سے یہ اونٹنی دینا چاہتے ہو تو ہم قبول کرلیتے ہیں اس کا اجر تم اللہ سے پاؤ گے وہ بولا یہ لیجئے! اسی لیے تو میں اسے لایا ہوں آپ نے اسے قبول کرنے کا حکم دیا اور اس کے مال میں برکت کی دعا فرمائی - ابوداؤد)

مسند امام احمد میں ہے کہ عمارہ نے کہا میں حضرت معاویہ کے زمانہ میں زکوٰۃ وصول کرنے پر عامل مقرر تھا اس وقت اس کے اونٹ بڑھ کر کر 15 سو ہوچکے تھے چنانچہ میں نے اس سے 30 حقے زکوٰۃ وصول کی شارح کہتے ہیں یہ ای کے دوسخا ' اخلاص اور آنحضرت ﷺ کی دعا کا تیجہ ہے کہ اللہ نے اس کے مال میں اتنی برکت عطا فرمائی (الفتح الترتیب مسند الامام احمد الشیبانی ج 8 ص 227)

ایک ہی قسم کا مال ہو تو اس کا حکم

اگر کسی کا مال اعلیٰ ' ادنٰی اور متوسط تین درجوں میں تقسیم نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے پاس صرف اعلیٰ یا صرف ادنٰی یا صرف متوسط ہے ' اسی طرح اس کے پاس صرف ذکور یعنی نر ہیں ' مادہ نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں اسی سے اسی قسم کا جانور لیا جائے گا ۔ جو اس کے پاس موجود ہے ' اعلیٰ سے اعلیٰ ' ادنٰی سے ادنٰی اور ذکور سے نر ہی قبول کرلیا جائے گا ' یہاں متوسط اور مادہ کی پابندی نہیں ہے '

مال مخلوط کسے کہتے ہیں

اگر دو یا زیادہ آدمیوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ مویشی (اونٹ ' گائے ' بکری) ہوں ' لیکن انہوں نے ان کے چرانے کے لیے ایک چرواہا مقرر کر رکھا ہے ' رات کے وقت ان کو ایک ہی باڑہ میں بند کرتے ہیں نیز ان کی چراگاہ ' پانی پلانے کا آلہ ' اور نسل کشی کے لیے سانڈھ بھی ایک ہے ' تو یہ مال مخلوط ہے ' اور ان کے مالکوں کو دو ہوں ' تو خلیطین اور دو سے زیادہ ہوں ' تو خلطاء کہتے ہیں

مال مخلوط (مشترکہ) کی زکوٰۃ کا طریقہ

سارے شریک کاروں کا مال مل کر نصاب کو پہنچے ' یا ان میں سے ہر ایک کا پورا پورا نصاب ہے مگر اس کو مخلوط کئے ہوئے ایک سال ہوگیا ہے ' تو مصدق اس سے اس طرح زکوٰۃ لے گا جیسے یہ ایک آدمی کا مال ہے سب مال کو شمار کرے گا ' اور اس پر جو زکوٰۃ آئے گی وصول کرے گا پھر یہ خلیط (جن کا مال مشترک ہوا) اپنے اپنے حصہ کے مطابق ایک دوسرے سے حساب لے دے لیں گے ' مثال کے طور پر ایک آدمی کی 20 بکریاں اور دوسرے کی 40 بکریاں ہیں ان دونوں کو اپنا مال مخلوط کئے ہوئے ایک سال ہوگیا تو مصدق 60 بکریاں سے زکوٰۃ کی ایک بکری لے گا اب اگر یہ بکری 20 والے کی ہے ' تو وہ اپنے ساتھی سے اس بکری کی دو ثلث قیمت لے گا اور اگر وہ بکری 40 والے کی ہے تو وہ دوسرے سے اس کی ایک ثلث قیمت لے گا اگر تین آدمی خلیط ہیں اور ہر ایک کے ملک میں 40 بکریاں ہیں تو یہ کل 120 ہوئیں سال کے بعد مصدق ان سے ایک بکری لے گا مال چونکہ تینوں کا برابر ہے اس لیے جس کی بکری جائے گی وہ اپنے ساتھیوں سے دو ثلث قیمت وصول کرے گا اس طرح ہر ایک کو ثلث بکری زکوٰۃ پڑی ' یہ اختلاط کا فائدہ ہے اگر وہ باہم خلیط نہ ہوتے ' تو ان کو تین بکریاں زکوٰۃ دینا پڑتی ' امام مالک کے نزدیک خلیطین یا خلطاء میں سے ہر ایک کا مال نصاب کو پہنچے ' تو سب پر زکوٰۃ ہے ' اور جس کا مال نصاب کو نہ پہنچے ' اس پر زکوٰۃ فرض نہیں مثلاً دو

آدمیوں کی 40 '40 بکریاں ہیں اور ایک کی بیس ہیں 'سب مل کر 100 ہوگئیں ان میں ایک بکری زکوۃ دینا پڑے گی اور یہ ان دونوں پر ہوگی 'جن کی بکریاں 40 '40 بکریاں ہیں اور 20 بکریاں والے پر زکوۃ نہیں۔ (موطا)

اس کے برعکس امام شافعی 'امام احمد 'عطاء 'لیث اور اسحاق فرماتے ہیں کہ سب خلطا کا مال مل کر نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہے حتیٰ کہ اگر چالیس آدمیوں کی 40 بکریاں ہیں ان میں ایک بکری زکوۃ دینا پڑے گی 'پھر جس کی بکری جائے گی وہ دوسروں سے ان کے حصے کی قیمت وصول کرے گا یہی مذہب مختار اور احوط ہے' (مرعاۃ المفاتیح)

زکوٰۃ کے خوف سے مال کی جمع اور تفریق

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے 'لا یجمع خشیۃ الصدقۃ (بخاری شریف) ''یعنی زکوۃ کے ڈر سے علیحدہ مال اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو الگ الگ نہ کیا جائے ''آنحضرت ﷺ کی یہ ہدایت مالک اور عامل دونوں کے لیے ہے کیونکہ اس کے سلسلہ میں دونوں سے کمزوری متوقع ہے، مالک کا ڈر تو یہ ہے ، کہ زکوۃ کہیں واجب نہ ہو جائے یا زیادہ نہ دینی پڑے ، جیسے خلیطین کی ۶۰ بکریاں، مصدق آئے ، تو ہر ایک ۳۰ بکریاں لے کر علیحدہ ہو جائے ، اس طرح دونوں زکوۃ سے بچ گئے ، یا دونوں میں سے ہر ایک کے پاس ۱۰۱ بکری ہے ، دونوں کی بکریاں مل کر ۲۰۲ ہوتی ہیں، ان میں تین بکریاں زکوۃ واجب ہے ، لیکن مصدق کی آمد سن کر علیحدہ کر لیتے ہیں، اب ہر ایک کو ایک بکری دینا پڑے گی، اور ایک بکری کی بچت ہو جائے گی، اسی طرح دو آدمیوں کے پاس الگ الگ ۴۰ بکریاں ہیں، وہ آپس میں خلیط نہیں ہیں، مگر عامل کے پاس اپنے آپ کو خلیط ظاہر کرتے ہیں، اور اپنے علیحدہ علیحدہ مال کو جمع کر کے پیش کرتے ہیں، اس صورت میں انہیں ایک بکری دینا پڑے گی، اور ایک بکری بچ رہے گی، اس قسم کی گھٹیا حرکات سے آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا فرمان میں منع فرمایا ہے، عامل کا ڈر یہ ہے ، کہ کہیں زکوۃ ساقط یا کم نہ ہو جائے ، اس لیے کوشش کرتا ہے ، کہ زیادہ سے زیادہ زکوۃ وصول کرے ، یا کم از کم کوئی مال زکوۃ لیے بغیر نہ چھوڑے ، مثلاً ۳۰، ۳۰ بکریاں کے علیحدہ ریوڑوں کو جمع کر کے مخلوط بنا دے ، اور ان میں سے ایک بکری زکوۃ لے لے ، یا خلیطین کی ۱۱۰ بکریوں کو دو برابر حصوں میں بانٹ کر دو بکریاں وصول کر لے ، حالانکہ ان میں ایک بکری زکوۃ پڑھتی تھی، مصدق کے لیے بھی مذکورہ بالا فرمان عالی کے پیش نظر یہ حرکت ناجائز ہے ۔

جہاں مال ہے عامل زکوٰۃ کے لیے وہاں جائے :

عامل کے لیے جائز نہیں کہ ایک جگہ بیٹھ جائے ، اور سارے علاقے کے لوگوں کو حکم دے کہ اپنے اپنے مال میں یہاں لا کر زکوۃ دو، اسی طرح اصحاب مال کے لیے بھی جائز نہیں، کہ عامل کی آمد سن کر اپنا مال دس بیس میل دور لے جائیں، تاکہ عامل مشقت اٹھا کر زکوہ کے لیے وہاں جائے ، یہ حدیث پاک میں آیا ہے ۔

((عَنِ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَا تُهُمْ اِلَّا فِي دُوْرِهِمْ)) (ابوداود)

''یعنی آپ نے فرمایا کہ عامل ایک جگہ بیٹھ کر علاقے کے مال اپنے پاس نہ منگوائے اور مویشیوں کے مالک اپنا مال دور نہ لے جائیں۔ بلکہ جہاں کوئی رہتا ہے ، اس کی زکوۃ وہیں جا کر لی جائے ۔''

گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ نہیں :

اگر کسی کے پاس سواری یا افزائش نسل کے لیے گھوڑے ہیں، جنگل میں چرتے ہوں، یا گھر پر پلتے ہوں، ان میں زکوۃ نہیں ہے ، یہی حال غلاموں کا ہے ، ان میں بھی سوائے صدقۃ الفطر کے زکوۃ نہیں ہے ، ہاں اگر گھوڑے یا غلام تجارت کے لیے ہیں تو تجارت کے دوسرے مال کی طرح بھی زکوۃ فرض ہوگی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر گھوڑے نر و مادہ یا صرف مادہ جنگل میں چرنے والے ہوں، تو ان میں زکوۃ واجب ہے ، کیونکہ ان سے افزائش نسل ہوتی ہے ، اور یہی ان کے پلنے کا مقصد ہے ، اگر صرف نر ہوں، تو ان میں زکوۃ نہیں ہے ، اس لیے کہ ان سے نسل نہیں بڑھ سکتی پھر مالک کو اختیار ہے کہ ہر گھوڑے سے ایک دینار زکوۃ دے ، یا ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم پر پانچ درہم ادا کرے ، مگر یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے ، صاحبین نے بھی اس میں جمہور کی موافقت کی ہے ، اور محققین علماء احناف کے نزدیک فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ، جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے :

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَة رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِم صَدَقَة فِیْ عَبْدِهٖ وَلَا فِیْ فُرْسِه وَفِیْ رِوَایَة قَالَ لَیْسَ فِیْ عَبْدِهٖ صَدَقَة اِلَّا صَدَقَة الْفِطْرِ)) (صحیحین)

''یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمان کے غلام اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں، ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا اس کے غلام میں صدقہ الفطر کے سوا کوئی زکوٰۃ نہیں۔''

گدھے اور خچر:

گدھے اور خچر عموماً مال برداری کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اس لیے بحکم ((لَیْسَ عَلَی الْعَوَامِلِ صَدَقَة)) ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، اگر افزائش نسل کے لیے پالے جائیں، تب بھی احادیث میں ان کی زکوٰۃ کی تصریح نہیں ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا، ((وَقَالُوْا فَالْحُمُرُ)) کہ یا رسول اللہ گدھوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے، تو آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ:

((مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِیْهَا شَیْئًا اِلَّا هٰذِهِ الْاٰیَة الْجَامِعَة الْفَاذَّة فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّة خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّة شَرًّا یَّرَهٗ)) (مسلم شریف)

یعنی ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بجز ایک ہی جامع آیت کے (جو ہر قسم کی نیکی اور برائی کو شامل ہے) کوئی خاص حکم نہیں اتارا کہ ''جو شخص ذرہ کے برابر نیکی کرے گا، وہ اس کا ثمرہ پا لے گا، اور جو شخص ذرہ کے برابر برائی کرے، وہ بھی اس کا اثر ضرور دیکھے گا، مطلب یہ ہے، کہ گدھوں اور خچروں کا مالک اگر ان کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ خرچ کرے گا، تو اس کا نفلی صدقہ ہوگا، اور اس کا اجر رائیگاں نہیں جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَة رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا قَالَ عَفَوْتُ لَکُمْ عَنْ صَدَقَة الْجَبْهَة وَالْکُسْعَة وَالنُّخَّة قَالَ بَقِیَّة الْجَبْهَة وَالْکُسْعَة الْبِغَالُ وَالْحَمِیْرُ وَالنُّخَّة الْمُرَبِّیَاتُ فِی الْبُیُوْتِ)) (البیہقی بحوالہ مرعاۃ المفاتیح ص ۹۰ ج ۳)

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے گھوڑے، گدھے، خچر اور گھر میں پلنے والے جانوروں کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے۔''

ہاں اگر کوئی شخص ان جانوروں کی تجارت کرے، تو ان میں تجاری مال کی حیثیت سے زکوٰۃ فرض ہے۔

عامل کی رضامندی اور اس سے متعلقہ تفصیل:

ارباب مال کو چاہیے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں، ان کی خندہ پیشانی سے استقبال کریں، اور وصولی زکوٰۃ کی راہ میں مشکلات پیدا نہ کریں، کیونکہ عامل کو خوش و خرم لوٹانا تکمیل زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((سَیَاْتِیْکُمْ رُکَیْبٌ مُّبْغَضُوْنَ فَاِذَا جَاءُوْکُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ مَا یَبْتَغُوْنَ فَاِذَا عَدَلُوْا فَلِاَنْفُسِهِمْ وَاِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَیْهِمْ وَاَرْضُوْهُمْ فَاِنَّ تَمَامَ زَکٰوتِکُمْ رِضَاهُمْ وَلْیَدْعُوْا لَکُمْ)) (ابوداود)

''تمہارے پاس (زکوٰۃ وصول کرنے والوں کے) چھوٹے چھوٹے ناپسندیدہ قافلے آیا کریں گے، جب وہ آئیں، تو انہیں مرحبا اور خوش آمدید کہو، اور جو کچھ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں تم سے طلب کریں، انہیں لینے دو، اگر عدل کریں گے، تو انہیں ثواب ہوگا، اور اگر ظلم کریں گے، تو ان کی سزا پائیں گے، تم ان کو راضی کیا کرو، ان کے خوش ہونے سے تمہاری زکوٰۃ پوری ہوگی، ورنہ ادھوری رہے گی، اور زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد انہیں تمہارے حق میں خیر و برکت کی دعا کرنی چاہیے۔''

نیز آپ نے فرمایا:

((اِذَا اَتَاکُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْیَصْدُرْ عَنْکُمْ وَهُوَ عَنْکُمْ رَاضٍ)) (مسلم)

''جب عامل تمہارے پاس زکوٰۃ لینے آئے تو اس سے ایسا برتاؤ کرو کہ وہ تم سے خوش ہو کر واپس جائے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا اِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ یَاْتُوْنَا فَیَظْلِمُوْنَا فَقَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِیْکُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِیْکُمْ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ)) (ابوداود)

''حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ دیہات کے رہنے والے کچھ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا آپ کے فرستادہ زکوٰۃ وصول کرنے والے (عامل) ہمارے پاس آتے ہیں، وہ ہم پر ظلم کرتے ہیں، اور واجب حق سے بڑھ کر زکوٰۃ لیتے ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا، زکوٰۃ لینے والوں کو خوش کیا کرو، وہ کہنے لگے، یا رسول اللہ! خواہ وہ ہم پر ظلم کریں، فرمایا: زکوٰۃ لینے والوں کو خوش کیا کرو، اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

لیکن یہ بات خاص ذہن میں رہے کہ آنحضرت ﷺ کے عامل قطعاً ظلم نہیں کرتے تھے، اور نہ حق سے زیادہ وصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، جیسے کہ اس کی ایک روشن مثال پہلے بیان ہو چکی ہے، اور آپ کے سب عامل (تحصیلدار) ایسے ہی تھے، لیکن چونکہ انسان جب طبعی بخل کی وجہ سے چاہتا ہے کہ اسے یا تو سرے سے کچھ دینا ہی نہ پڑے، یا کم سے کم دینے سے خلاصی ہو جائے، اس لیے پورا شرعی حق وصول کرنے کو بھی اپنے حق میں ظلم اور زیادتی سمجھتا ہے، اور پورا پورا حق لینے والے عامل سے بلاوجہ بغض رکھتا ہے، اور اسے ناپسند کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان کی شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا، اور نہ اسے قابل التفات سمجھا ہے، کیونکہ آپ جانتے تھے، کہ آپ کے فرستادہ عامل زکوٰۃ وصول کرنے کے سلسلہ میں ہرگز ہرگز زیادتی نہیں کرتے ہیں۔

اس کی کچھ مثالیں حدیث کی کتابوں میں آئیں ہیں، مختصر ایک مثال فرمائیے سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا مصدق آیا، میں نے اسے کہتے ہوئے سنا کہ مجھے ہدایت کی گئی ہے، کہ میں کوئی دودھ دینے والا جانور زکوٰۃ میں نہ لوں، اور نہ علیحدہ علیحدہ مال کو جمع کروں، اور نہ اکٹھے مال کو الگ الگ کروں اس مصدق کو ایک آدمی نے اپنے اونٹوں کی زکوٰۃ میں ایک بڑی کوہان والی موٹی تازی اونٹنی لا کر دی، اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے مال سے بہترین اونٹنی قبول کریں، مگر مصدق نے لینے سے انکار کر دیا، پھر وہ اس سے کم درجہ کی اونٹنی لایا، مصدق نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا، پھر وہ اس سے بھی کم درجہ کی اونٹنی لایا، مصدق نے وہ قبول کر لی، اور کہا اب مجھے ڈر ہے کہ آنحضرت ﷺ خفا ہوں گے، اور فرمائیں گے، تم ایک مسلمان کا بہترین مال لے آئے ہو۔ (ابو داؤد)

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اگر کوئی عامل فی الواقع ہٹ دھرمی کرتا ہے، اور حق سے زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے، تو اسے من مانی کاروائی کرنے کی کھلی چھٹی ہے، بلکہ اسے ایسا کرنے سے روکا جائے گا اور اس کا یہ فعل حاکم اعلیٰ کے نوٹس میں لایا جائے گا، خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں حق سے زیادہ نہ دیا جائے۔

کیا ظلم عامل کے خوف سے کچھ مال چھپا لیا جائے:

کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عامل کے فرضی ظلم سے بچنے کے لیے کچھ مال چھپا لے، مثلاً ایک شخص کے پاس ۱۲۰ بکریاں ہیں، سال کے بعد اس میں ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑتی ہے، وہ ڈرتا ہے کہ عامل اس سے دو بکریاں وصول کرے گا، اس لیے وہ عامل کے سامنے صرف ۴۰ بکریاں پیش کرتا ہے، اور ۸۰ بکریاں چھپا لیتا ہے، تاکہ اسے ایک بکری زکوٰۃ دینا پڑے، جو درحقیقت اس کے مال کی زکوٰۃ ہے، ایسا کرنا ناجائز ہے، ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا:

((یَارَسُولَ اللّٰہِ اِنَّ اَصْحَابَ الصَّدَقَۃِ یَعْتَدُونَ عَلَیْنَا اَفَنَکْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا یَعْتَدُونَ قَالَ لَا)) (رواہ ابو داود)

یا رسول اللہ! زکوٰۃ لینے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں، اور اصل حق سے زیادہ مانگتے ہیں (مثلاً ۱۲۰ بکریاں سے ۲ بکریاں مانگتے ہیں) اگر اجازت ہو تو جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں، اس کے مطابق ہم اپنا مال چھپا لیں (تاکہ پوری پوری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے، اور ہم ظلم سے بھی محفوظ رہیں، جیسے ۱۲۰ بکریوں میں سے ۸۰ بکریاں چھپا لیں، آپ نے فرمایا، نہیں اس کی اجازت نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس طرح مال چھپانے کو ناجائز قرار دے کر ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ بند فرما دیا، ورنہ اکثر لوگ عمال کی زیادتی کا بہانہ بنا کر اپنا اپنا مال چھپا لیتے، اور بہت کم زکوٰۃ وصول ہوتی، اور یوں نظام زکوٰۃ کا پورا ڈھانچہ غیر موثر ہو کر رہ جاتا، رہا عوام کو ظالم عامل کو دستبرد سے بچانے کا مسئلہ تو اس کا حل یہ ہے کہ اگر عوام میں اتنا شعور ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مسائل جانتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ عامل واقعی ظلم کر رہا ہے، اور اپنے حق سے زیادہ مانگ رہا ہے، تو وہ اس کو دلائل و براہین کے ذریعہ صحیح صحیح زکوٰۃ لینے پر مجبور کریں، اور اسے حق سے زیادہ ہرگز نہ دیں، لیکن اگر ظلم و ستم سے باز نہ آئیں، تو اس کا معاملہ اسلامی حاکم اعلیٰ کے روبرو پیش کریں۔

شریعت کے مطابق زکوٰۃ لینے والا عامل:

جو عامل حق پر قائم رہے، صدقہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں کسی نوع کی خیانت اور بددیانتی کا ارتکاب نہ کرے، ارباب اموال سے واجب حق سے زیادہ وصول نہ کرے، اور نہ کوتاہی سے کام

لے تو آنحضرت ﷺ نے اسے مجاہد اور غازی کی طرح اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا ہے، نمازی کی طرح یہ بھی گھر سے جانے کے وقت سے واپسی تک برابر اجر و درجہ پاتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے :

((عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى بَيْتِهِ)) (سنن ابی داود)

مال مستفاد کی تعریف اور حکم :

اگر کسی آدمی کو زکوٰۃ دیتے ہوئے (مثلاً) نصف سال گذر چکا ہے پھر اسے ورثہ یا ہبہ کی صورت میں کچھ اور مال مل جاتا ہے، یا وہ نیا مال خرید لیتا ہے، تو اس کو مال مستفاد کہتے ہیں، جیسے ایک آدمی کے پاس ۸۰ بکریاں ہیں، زکوٰۃ دینے کے چھ مہینے بعد اسے ۴۰ بکریاں ورثہ میں مل جاتی ہیں، تو یہ ۴۰ بکریاں مال مستفاد ہوں گی، اب سوال یہ ہے کہ اس مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے سال کے ساتھ ادا کی جائے، یا سال پورا ہونے کے بعد، اس میں اختلاف ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

مال مستفاد کی مختلف سورتیں :

الف :... مال مستفاد پہلے مال سے حاصل ہوا ہے، مثلاً ۱۰۰ بکریوں کی زکوٰۃ ادا کی گئی، پھر اگلا سال آنے تک وہ بچے دے کر ۲۰۰ ہو گئیں، یا تجارتی مال کی صورت میں ۱۰۰۰ روپے کی زکوٰۃ ادا کی، اگلا سال پورا ہونے تک نفع وغیرہ مل کر ۲۰۰۰ روپے ہو گیا۔

ب :... مال مستفاد پہلے مال کی قسم سے نہیں ہے، جیسے کسی کے پاس ۱۰۰ بکریاں تھیں، چھ ماہ کے بعد اسے ۴۰ اونٹ ورثہ یا ہبہ میں مل گئے۔

ج :... مال مستفاد پہلے مال کی قسم سے نہیں ہے، جیسے کسی کے پاس پہلے ۱۰۰ بکریاں تھیں، سات آٹھ ماہ کے بعد اسے مزید ۱۰۰ بکریاں ورثہ یا ہبہ میں مل گئیں۔

پہلی صورت میں بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ دی جائے گی، اس کے لیے علیحدہ سال کا انتظار نہ کیا جائے گا۔

دوسری صورت میں سب کے نزدیک بالاتفاق مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ نہیں دی جائے گی، بلکہ اس کے لیے الگ سال پورا کیا جائے گا، جب اس کا سال پورا ہو گا، تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

تیسری صورت میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مال مستفاد کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ ادا کی جائے گی، اس کے لیے الگ سال اور علیحدہ حساب کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے ائمہ کرام اور محدثین عظام فرماتے ہیں کہ اس صورت میں الگ سال پورا ہونے کے بعد مال مستفاد کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اس کو پہلے مال میں شامل نہیں کیا جائے گا، اور یہی مذہب حق اور صحیح ہے، حدیث پاک اس کی تائید کرتی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ)) (ترمذی)

''یعنی جس کو مال مستفاد ملے، وہ سال گزرنے کے بعد اس کی زکوٰۃ دے۔''

۲۔ سونا، چاندی یا نقدی کی زکوٰۃ :

جن چار قسم کے مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے، ان میں دوسری قسم سونا، چاندی ہے، اور اسی کے حکم میں نقدی ہے، ان میں زکوٰۃ کی فرضیت کتاب و سنت سے ثابت ہے، جو اس سے انکار کرے وہ کافر ہے، اسے اس سے فوراً توبہ کرنی چاہیے، ورنہ شرعاً مستوجب قتل ہے، اور جو انکار نہ کرے، اور ادا بھی نہ کرے، وہ فاسق ہے۔

نقدی کی زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی وعید :

اس کے متعلق قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے، جس سے بچنا ایک سچے مسلمان کا فرض ہے، حدیث شریف میں آیا ہے :

((عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من صاحب ذھب ولا فضۃ لا یؤدی منھا حقھا الا اذا کان یوم القیامۃ صُفّحت لہ صَفائح من نار فاحمی علیھا فِی نار جھنم فیکوی بھا جنبہ وجبینہ وظھرہ کلما رُدّت اعیدت لہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ حتی یقضی بین العباد فیری سبیلہٗ اِمَّا الی الجنۃ واما الی النار الخ)) (صحیح مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: سونے چاندی کا جو مالک ان کا حق ادا نہیں کرتا، قیامت کے دن اس کے لیے اس سونے چاندی کی چوڑی چوڑی سلاخیں بنائی جائیں گی، پھر انہیں جہنم میں آگ کی طرح سرخ کیا جائے گا، اوران سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے، جب وہ سرد پڑ جائیں گے تو جہنم کی آگ گرم کر کے دوبارہ داغ دینے شروع کیے جائیں گے، اور لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک پچاس ہزار سال کے دن اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا، اس کے بعد اسے جہنم کا راستہ دکھایا جائے گا، یا جنت کا۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی تائید اس طرح نازل فرمائی:

{ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ط يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ } (التوبۃ: ۳۴۔۳۵)

''جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اوراسے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں، جس دن ان کے اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں، اور پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے، اوران سے کہا جائے گا، یہ وہی مال ہے، جسے تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، اب اپنے جمع کیے ہوئے مال کا مزہ چکھو۔''

ان تین اعضاء کو داغ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت مند سوال کرتا ہے، تو سب سے پہلے کراہت اور ناپسندیدگی کے آثار ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے ہیں، اپنی پیشانیوں پر شکن ڈالتے ہیں، اور تیوری چڑھا کر سائل کو غضب ناک نظر سے دیکھتے ہیں، تاکہ وہ اپنا حق طلب کرنا چھوڑ دے، اگر ضرورت مند زیادہ توجہ دلائے، تو پہلو بدل کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اگر سائل نے پھر جرأت سے کام لیا، تو پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں، یہ اللہ کے انعام اور فضل کی انتہائی ناسپاسی ہے، جس کا ارتکاب عموماً بخیل سرمایہ دار کرتے ہیں، بخاری شریف میں ہے:

((مَن اٰتاہُ اللّٰہُ مالاً فَلَم یُؤَدِّ زَکٰوتَہ مُثِّلَ مالُہ یومَ القیامۃ، شُجاعًا اَقرعَ لَہ زَبیبتانِ یُطوّقُہ یومَ القیامۃ ثُمّ یأخُذُ بِلِھزِمَتیہِ یَعنی شِدقَیہ فیقولُ انا مالُکَ واَنا کَنزُکَ ثُمّ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِینَ یَبْخَلُونَ بِمَا آتَاھُمُ اللّٰہُ مِن فَضلِہ ھُوَ خَیراً لَّھُم بَل ھُوَ شَرٌّ لَّھُم سَیُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِہ یَومَ القِیامَۃ))

''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال (سونا چاندی) دیا ہو اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، تو قیامت کے دن اس کے مال کو ایک نہایت زہریلے سانپ کی شکل دی جائے گی، اور طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، وہ اس کے منہ پر دونوں جانب ڈنگ مارے گا، اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، جسے تو جمع کر کے دنیا میں چھوڑ آیا، پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق کرنے والی قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں بخل سے کام لیتے ہیں، وہ ہر گز نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ یہ ان کے حق میں بدتر ہے، جس مال کے ساتھ انہوں نے بخل کیا ہے، قیامت کے دن اسے (سانپ بنا کر) ہار کی طرح ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔''

ایک روایت میں ہے، وہ سانپ سے ڈر کر بھاگے گا، سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا، حتی کہ وہ تھک ہار کر اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا، اور وہ اسے اونٹ کی طرح چباتا ہوا نگل جائے گا۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے بخیل کو قیامت کے دن قسم قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، کبھی اس کے سیم و زر کی چوڑی چوڑی سلاخیں بنائی جائیں گی، کبھی اس کو زہریلے سانپ کی شکل دی جائے گی، اوراس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا، کبھی وہ اس کے آگے دوڑے گا اور سانپ اس کے پیچھے پیچھے حتی کہ بخیل تھک ہار کر اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دے گا، جسے وہ چبا کر نگل جائے گا، اور پھر اس کے جسم کو کھا جائے گا، جیسا کہ ((ثُمَّ یُتبِعُہ سائرَ جَسدِہٖ)) کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

نقدی اور سونے، چاندی کی زکوٰۃ کے تفصیلی احکام:

مال کی دیگر اقسام بہائم، اجناس خوردنی اور مال تجارت کی طرح نقدی اور سونے چاندی کے مالکوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، اوراس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، جو شخص نقدی اور سونے چاندی کے نصاب کا مالک ہے، اوراس پر سال بھی گذر چکا ہے، پھر ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، اوراس سلسلہ میں غفلت اور سستی سے

کام لیتا ہے، اس کے لیے قرآن حکیم اور حدیث پاک میں سخت وعید وارد ہوئی ہے، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، یہ مال، دولت محض اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اس میں زکوٰۃ ادا کرنا اس انعام کا شکر ہے، اس لیے کسی مسلمان کو اس نعمت کی ناسپاسی کر کے اللہ تعالیٰ کی وعید کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔

سونے چاندی کا نصاب :

بہائم اور اجناس خوردنی کی طرح سونے چاندی کے لیے بھی نصاب مقرر ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں :

(الف) ((عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْئٌ فِي الذَّهَبِ حَتّٰى يَكُوْنَ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَارًا وَحَالَ الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ)) (ابوداود)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں، اور ان پر سال بھی گذر جائے، تو ان میں زکوٰۃ پانچ درہم ہوگی، اور جب تمہارے پاس بیس دینار سونا ہو تو سال کے بعد اس میں نصف دینار زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔''

(ب) ((عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَ دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ الثَّمْرِ صَدَقَةٌ)) (احمد، بخاری من حدیث ابی سعید)

''جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ۵ اوقیہ (۲۰۰ درہم) سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور ۵ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور ۵ وسق، تقریباً ۲۰ من سے کم غلہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔''

ان اور کتب احادیث میں مروی دیگر بیسیوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے چاندی کے لیے ۲۰۰ درہم اور سونے کے لیے ۲۰ دینار مقرر کیا ہے، اور ان پر وجوب زکوٰۃ کے لیے ایک سال کی میعاد کو شرط قرار دیا ہے، ۲۰۰ درہم یعنی ۵۲ ۱/۲ تولہ، اور ۲۰ دینار سونے کا وزن ۷ ۱/۲ تولہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے مالک ہر مسلمان کے لیے اس نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، نقدی کی زکوٰۃ چاندی کی قیمت کے مطابق ہوگی، بنا بریں چونکہ اس وقت چاندی کا نرخ ساڑھے تین روپے تولہ ہے، اس حساب سے ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کی قیمت رائج الوقت شرح کے لحاظ سے تقریباً ۱۸۴ روپے بنتی ہے، اس لیے نقدی کا نصاب ۱۸۴ روپے ہوگا، آج اگر کسی کے پاس اتنی یا اس سے زیادہ نقدی ہو، اور اس پر ایک سال کا عرصہ بھی گزر چکا ہو تو اس کو اس تمام رقم سے ۲ ۱/۲% فی صد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔

کیا نصاب پورا کرنے کے لیے سونا اور چاندی دونوں کو جمع کیا جائے؟

اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی میں سے کسی کا نصاب بھی پورا نہیں ہے، تو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کو جمع کر کے نصاب پورا کیا جائے، اور اس سے زکوٰۃ ادا کی جائے، لیکن دوسرے ائمہ اس کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک جب تک سونے اور چاندی میں سے ہر ایک الگ الگ نصاب کو نہ پہنچے، زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ان دونوں کو باہم ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جائے گا، اور یہ مذہب صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دھاتیں علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں، اور اسی وجہ سے ان کی باہمی بیع کمی ویشی کے ساتھ جائز ہے، تو ان کے ضم کرنے کے لیے قوی دلائل چاہئیں جو یہاں ناپید ہے۔

مال ضمار کی تعریف اور اس کا حکم :

اگر کسی شخص کا مال اس طرح اس کے ہاتھ سے نکل جائے، کہ اسے معلوم نہیں کہ وہ اسے واپس ملے گا یا نہیں، تو وہ مال ضمار کہلاتا ہے، مثلاً جنگل میں کسی جگہ مال دفن کیا، اور جگہ بھول گیا، یا مال سمندر میں ڈوب گیا، کا کسی نے چھین لیا، اور ثبوت نہیں ہے، کا کسی بادشاہ نے ناحق جرمانہ کر دیا یا کوئی قرض لے کر مکر گیا، اور اس کے پاس گواہ یا تحریر نہیں ہے۔ ان سب صورتوں میں اگر اسے مال مل جائے، خواہ کئی سال کے بعد ملے تو ایک سال کی زکوٰۃ دینا ہوگی ملنے سے پہلے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں پڑے گی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ موطا میں

لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کسی ظالم حاکم سے چھینا ہوا مال مظلوم کو واپس دلوایا۔ اور لکھا کہ مال کا مالک گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دے، لیکن اس کے بعد معاً دوسرا فرمان بھیجا کہ صرف ایک سال کی زکوٰۃ دی جائے، یہ مال ضمار تھا، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

((مَن کان لہ علٰی اٰخر دَینٌ فَجحدہٗ سنین ثم قامت بہ بینۃ یُزکہ لما مضٰی معناہٗ صارت لہ بینۃ بان اقر عند الناس وھی مسالۃ مال الضمار)) (ص ۱/۱۶۹)

''جس نے کسی سے قرض لینا ہو، اور مقروض کئی سال تک انکار کرتا رہے، پھر اس کا ثبوت مل جائے، جس کے نتیجہ میں مال وصول ہو جائے، تو وہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ مصنف کہتے ہیں کہ ثبوت ملنے کا یہ مطلب ہے کہ مقروض کہیں لوگوں کے سامنے اقرار کر بیٹھے اور یہ مال ضمار کا مسئلہ ہے۔''

قرض کی زکوٰۃ:

اگر کسی شخص نے کسی کو قرض دیا، اور کئی سال بعد وصول ہوا، تو اس پر ایک سال کی زکوٰۃ ہے، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دینا پڑے گی، اگر اسے نصاب کے مطابق رقم وصول نہیں ہوئی، لیکن اس کے پاس کچھ نقدی یا مال تجارت موجود ہو، جس میں زکوٰۃ واجب ہے، تو قرض کی رقم اس میں جمع کر کے زکوٰۃ دے، اگر اس کے پاس نقدی وغیرہ کچھ نہیں، تو پھر قرض کی وصول شدہ رقم یاد کرے، اس کے بعد جب اسے اتنی رقم ملے کہ پہلی اور پچھلی مل کر ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی یا، ۷ ۱/۲ تولہ سونے کو پہنچ جائے، تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے، پھر جو رقم اسے تھوڑی بہت ملتی جائے، حساب کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کرتا جائے۔

اگر کسی مقروض کے پاس اس قدر سامان ہے کہ اس سے اس کا قرض ادا ہو سکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ اس کے پاس نصاب کے مطابق نقد روپیہ بھی ہے، تو وہ نقد روپیہ کی زکوٰۃ دے، اگر قرض اتنا زیادہ ہے، کہ نقد اور اسباب دونوں سے پورا ہو سکتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (موطا)

یتیم کے مال میں زکوٰۃ:

یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، سرپرست پر لازم ہے کہ ہر سال اس کے مال سے زکوٰۃ ادا کرے، حدیث شریف میں آیا ہے:

((عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی یتیما لہ مال فلیتجر فیہ ولا یترکہ حتی تاکلہ الصدقۃ)) (رواہ الترمذی، مشکوۃ)

''عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا، اور فرمایا: لوگو! آگاہ ہو، جس کی زیر نگرانی کوئی مالدار بچہ ہو، وہ اس کا مال تجارت میں لگائے، ایسا نہ ہو کہ اس کو آہستہ آہستہ زکوٰۃ ختم کر دے۔''

نیز موطا میں ہے:

((ان عمر بن الخطاب قال اتجروا فی اموال الیتامٰی لا تاکلھا الزکوٰۃ)) (موطا)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یتیموں کے مال میں تجارت کرو، اسے زکوٰۃ نہ کھا جائے۔''

((عن القاسم کانت عائشۃ تلینی واخا لی یتیمین فی حجرھا فکانت تخرج من اموالنا الزکوٰۃ)) (موطا)

''قاسم کہتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یتیمی کی حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی تھے وہ ہمارے مال سے زکوٰۃ نکالا کرتی تھیں۔''

نیز قاسم کہتے ہیں، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زیر سرپرستی کا مال تجارت میں لگا رکھا تھا۔

مذکورہ بالا حدیث اور آثار سے معلوم ہوا، کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، فرضیت زکوٰۃ پر دلالت کرنے والی آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ ان میں چھوٹے اور بڑے کے درمیان فرق نہیں کیا گیا، بلکہ ان میں بتایا گیا ہے، کہ غنی پر زکوٰۃ فرض ہے، جہاں غنا پائی جائے گی، زکوٰۃ فرض ہو گی، اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور چند دیگر علماء کہتے ہیں کہ یتم کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے، لیکن یہ مذہب مرجوح ہے، یہ عجیب بات ہے کہ امام صاحب یتیم کی کھیتی باڑی میں اور باغات کے پھلوں میں عشر واجب بتاتے ہیں، اور اس کے مال میں صدقۃ الفطر کے وجوب کے بھی قائل ہیں، مگر سونے چاندی میں زکوٰۃ نہیں مانتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے، مگر سرپرست ہر سال کی زکوٰۃ کا حساب محفوظ رکھے، جب لڑکا بالغ ہو، تو اسے بتا دے کہ تمہارے مال میں گزشتہ سالوں کی اتنی زکوٰۃ واجب الادا ہے، اب یہ لڑکے کا کام ہے کہ زکوٰۃ دے یا نہ دے، سرپرست خود زکوٰۃ نہیں دے سکتا، یہ مذہب بھی مرجوح ہے، مذکورہ دلائل کے پیش نظر سرپرست کو چاہیے کہ وہ ہر سال وقت پر زکوٰۃ ادا کرے۔

زیور کی زکوٰۃ:

سونے چاندی کے زیورات میں زکوٰۃ فرض ہے، اس کے متعلق خاص احادیث و آثار کے علاوہ کتاب و سنت کے عموم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

{ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ } (التوبۃ: ۳۴)

''یعنی جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اے رسول! آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔''

حدیث شریف میں ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَفِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ)) (بخاری)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ چاندی میں چالیسواں حصہ (۲ ۱/۲%) زکوٰۃ فرض ہے۔''

((وَقَالَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ فَاِذَا بَلَغَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ))

''پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، جب ۲۰۰ درہم ہو جائیں تو ان میں سے ۵ درہم زکوٰۃ واجب ہے۔''

حدیث کے یہ الفاظ ذکر کر کے حافظ ابن حزم لکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں زکوٰۃ ہے، اور سونے چاندی کے زیور بھی سونا چاندی ہیں، ان کو کسی نص اور اجماع نے زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ (المحلی: ص ۶/۸۰)

آنحضرت ﷺ نے زیوارت سے زکوٰۃ نہ دینے پر بڑی وعید بیان فرمائی ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل احادیث میں ہے:

(الف) ((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَاَۃً اَتَتِ النَّبِیَّ ﷺ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا وَفِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهَا اَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا قَالَتْ لَا قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُسَوِّرَكِ اللّٰہُ سِوَارًا مِنْ نَارٍ قَالَ فَخَلَعَتْهُمَا وَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ هُمَا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ)) (ابو داود، نسائی)

''عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی جس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی، اس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے، آپ نے پوچھا، اس کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند ہے، کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے بدلہ میں تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی اس نے دونوں کنگن اتار دیئے، اور آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھ دیئے اور بولی کہ میں ے یہ دونوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی راہ میں دے دیئے۔''

(ب) ((عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاؤُدَ)) (مشکوٰۃ)

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں سونے کی پازیبیں پہنا کرتی تھی، میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ کنز (سونا چاندی جمع کردہ) ہے، آپ نے فرمایا: جو زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے، اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے، تو وہ کنز نہیں ہے۔''

(ج) ((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَرَاٰی فِيْ يَدِيْ فَتَخَاتٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ؟ فَقُلْتُ صَنَعْتُهُنَّ اَتَزَيَّنُ لَكَ بِهِنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَتُؤَدِّيْنَ زَكٰوتَهُنَّ فَقُلْتُ لَا قَالَ هُنَّ حَسْبُكِ مِنَ النَّارِ)) (ابو داود، دار قطنی)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے، اور میرے ہاتھ میں بڑی بڑی انگوٹھیاں دیکھیں، اور پوچھا، عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ زیور میں نے آپ کی خاطر خوبصورتی حاصل کرنے کے لیے بنوائے ہیں، آپ نے فرمایا: ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو، میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: پھر آگ کی سزا کے لیے تجھے یہی کافی ہے۔''

واضح رہے کہ یہ روایات صحیح اور قابل حجت ہیں، تفصیل کے لیے عون المعبود تحفۃ الاحوذی وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زیورات کی زکوۃ دینی لازم ہے، ان کی زکوۃ نہ دینے والے بڑے خطرے میں ہیں، صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ زیورات میں وجوب زکوۃ کے قائل ہیں۔

اور ائمہ دین میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول ہے، ہدایہ میں ہے:

((وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَاَوَانِيهِمَا الزَّكٰوةُ))

''سونے چاندی کی ڈلی، ان کے برتنوں اور زیورات میں زکوۃ ہے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ سونے چاندی کے زیورات میں زکوۃ واجب نہیں، یہ حضرات قیاس اور بعض صحابہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، مگر صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس اور آثار کا قطعاً اعتبار نہیں ہے، کتاب و سنت کے نصوص کی روشنی میں پہلا مذہب راجح اور دوسرا مذہب مرجوح ہے، اس لیے جن لوگوں کے پاس زیوارت نہیں، انہیں ہر سال زیورات کی زکوۃ بالالتزام ادا کرنی چاہیے وہ اپنے زیورات کا وزن کریں، اگر سونے کے زیورات ۲/۱ ۷ تولہ اور چاندی کے ۲/۱ ۵۲ تولہ یا اس سے زیادہ ہو جائیں تو ان کی قیمت سے ۲/۱ ۲% کے حساب سے زکوۃ ادا کریں۔

متفرق مسائل:

(۱) جن کے پاس نصاب کے مطابق رقم ہے، پھر سال پورا ہونے تک اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، نصاب سے کم نہیں ہوتی، تو ہر سال پورا ہونے پر ساری رقم میں زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ حولان حول کی شرط نصاب کے لیے ہے، دوران سال میں حاصل ہونے والی رقم کے لیے نہیں، جیسے کسی کے پاس ۲۰۰ سو روپیہ ہے، پھر ماہ بماہ اس میں اضافہ ہوتا جائے، حتی کہ سال پورا ہونے تک وہ رقم دو ہزار ہو جاتی ہے، تو دو ہزار کی زکوۃ دی جائے گی۔

(۲) جو آدمی نقدی یا تجاری مال کی زکوۃ ادا کرے، پھر چھ ماہ بعد اسے ورثہ یا ہبہ کی صورت میں کچھ رقم مل جائے، تو اسے عرف عام میں مال مستفاد کہتے ہیں، تو اس پر پہلے مال کے ساتھ اس کی زکوۃ دینی ضروری نہیں، بلکہ اس کی تحویل میں آنے کے ایک سال بعد اس رقم میں زکوہ واجب ہوگی، ہاں اگر اپنی آسانی کے لیے مال کے ساتھ زکوۃ دینا دچاہے تو جائز ہے۔

(۳) اگر بیوی کا مال الگ ہے، تو اسے اپنے مال کی زکوۃ خود ادا کرنا ہوگی، شوہر پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی نہ صرف یہ کہ وہ اپنے مال کی خود زکوۃ ادا کرتی تھیں، بلکہ اس نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا، یا رسول اللہ! میرا خاوند غریب ہے، میں اپنی زکوۃ اسے دوں، تو ادا ہو جائے گی، آپ نے اثبات میں جواب دیا، اور فرمایا: بیگانوں کو دینے کے بجائے اپنے خاوند کو دینے میں تمہیں دوگنا ثواب ملے گا، ایک زکوۃ دینے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔

(۳) مال تجارت کی زکوۃ:

ہر قسم کے تجارتی مال میں زکوۃ فرض ہے، اور اس کے ادا کرنے کے لیے حولان حول کی شرط ہے، حدیث شریف میں آتا ہے:

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِيْ نَعُدُّ لِلْبَيْعِ)) (مشکوۃ، ابوداود)

''سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ جو مال ہم تجارت کے لیے تیار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ ہمیں اس سے زکوۃ دینے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔''

ایک شخص حماس نامی ننگے ہوئے کپڑوں اور تیر محفوظ رکھنے کے لیے ترکشوں کی تجارت کیا کرتا تھا، وہ کہتا ہے:

((اَنَّ عُمَرَ قَالَ لَهٗ قَوِّمْهَا يَعْنِيْ الْاَدُمَ وَالْجِعَابَ وَاَدِّ زَكَاتَهَا)) (کتاب الاموال لابی عبید و سنن البیھقی)

''امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا ان چمڑوں اور ترکشوں کی قیمت لگاؤ، اور ان کی زکوۃ ادا کرو۔''

ابن قدامہ کہتے ہیں، اس جیسا واقعہ مشہور ہوتا ہے، چونکہ اس پر کسی صحابی کا انکار مروی نہیں، لہٰذا اس پر اجماع ہوا (المغنی)۔ ہدایہ میں ہے۔

((اَلزَّكٰوةُ وَاجِبَةٌ فِيْ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَا كَانَتْ اِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَابًا مِنَ الْوَرِقِ اَوِ الذَّهَبِ)) (ج ۱ ص ۱۷۷)

’’زکوٰۃ ہر قسم کے سامان تجارت میں واجب ہے، جب اس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔‘‘

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے تجارتی مال پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ’’معدودے چند افراد کے سوا ائمہ اربعہ اور دیگر تمام ائمہ دین اس بات پر متفق ہیں کہ تجارت کے سامان میں زکوٰۃ واجب ہے، خواہ تاجر مقیم ہوں یا مسافر، ارزانی کے وقت سامان خرید کر گرانی کا انتظار کرنے والے تاجر ہوں، یا عام دکاندار جو رہ وقت اور ہر نرخ پر خرید و فروخت میں مصروف رہتے ہیں، تجارت کا مال نئے یا پرانے کپڑے ہوں، یا کھانے پینے کا سامان، ہر قسم کا غلہ، پھل، فروٹ، سبزی، گوشت وغیرہ، مٹی، چینی، دھات وغیرہ کے برتن ہوں یا جاندار چیزیں، غلام یا گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ، گھر میں پلنے والی بکریاں ہوں، یا جنگل میں چرنے والے ریوڑ، غرض تجارت کے ہر قسم کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ (القواعد النورانیۃ الفقہیہ لابن تیمیہ ص ۹۰)

(۴) غلہ کی زکوٰۃ، عشر یا نصف عشر

چند ضروری باتیں:

(۱) زمین سے پیدا ہونے والے غلہ سے جو حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جاتا ہے، عشر کہلاتا ہے، عشر کا معنی ہے، دسواں حصہ، بعض حالات میں زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ واجب الادا ہوتا ہے، اس لیے اس کا نام عشر رکھا گیا ہے۔

(۲) جو کھیتی یا باغ بارش، چشمہ یا نہر کے پانی سے سیراب ہو، اور اسے تیار کرنے کے لیے کسی آلہ یا مشین سے پانی کھینچ کر دینے کی ضرورت نہ پڑے، یا ایسی زمین میں بوئی جائے، جس میں پانی سطح زمین کے قریب ہے، اور کھیتی یا درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ پانی چوس کر نشوونما حاصل کرلیں، تو ایسی کھیتی یا باغات کے پھلوں میں عشر واجب الادا ہوتا ہے، اور جس کھیتی یا باغ کے پکانے اور تیار کرنے میں رہٹ، مشین یا کسی دوسرے مصنوعی آلہ کے ذریعے کھینچ کر پانی دینے کی ضرورت ہو، اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے، اس تفصیل کی وضاحت درج ذیل احادیث شریفہ میں کی گئی ہے:

(الف) ((عَنْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَائُ وَالْعُیُوْنَ اَوْکَانَ عَثَرِیًّ الْعُشْرُ وَمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعَشْرِ)) (رواہ البخاری، مشکوٰۃ)

(ب) ((اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَائُ وَالْاَنْہَارُ وَالْعُیُوْنُ اَوْکَانَ بَعْلًا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِیَ بِالسَّوَانِیْ وَالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ)) (رواہ النسائی، مشکوٰۃ)

’’یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کھیتی، بارش اور چشموں سے سیراب ہوئی ہو، یا وہ بارانی ہو، اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے، اور جو زمین جانوروں کے ذریعہ یا کسی دوسرے طریقہ سے پانی کھینچ کر سیراب کی جائے، اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔‘‘

دونوں حالتوں میں کاشتکار کی محنت کا لحاظ رکھا جاتا ہے، چونکہ پہلی صورت میں محنت کم ہے، اس لیے زکوٰۃ زیادہ ہے، یعنی پیداوار کا دسواں حصہ دوسری صورت میں محنت زیادہ، یا پانی قیمتاً خریدنا پڑتا ہے، جیسے نہری علاقوں میں آبیانہ ادا کیا جاتا ہے، یا اس کے حصول میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں، جیسا کہ بجلی یا انجن سے چلنے والے ٹیوب ویل میں عموماً خرچ ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کم ہے، اسے (دسواں حصہ سے گھٹا کر بیسواں حصہ کر دیا گیا ہے، اگر کھیتی یا باغ کے تیار ہونے میں اول یعنی (بارش، نہر، چشمہ) اور دوسری قسم یعنی (رہٹ، ٹیوب ویل وغیرہ) کے ذرائع آب پاشی کا حصہ مساوی ہے، جیسے کچھ بارش ہوگئی اور کبھی رہٹ وغیرہ چل کر پانی دینا پڑا۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ دسواں حصہ میں سے تین حصے دینا ہوگی، مثلاً بارانی فصل میں زکوٰۃ دو من ہے، تو اس صورت میں ڈیڑھ من دینا پڑے گا، اگر زیادہ تر بارش ہوتی ہے، لیکن ایک آدھ دفعہ رہٹ یا ٹیوب ویل سے بھی کھیتی سیراب ہوتی ہے، یا زیادہ تر ٹیوب ویل سے کام لیا جاتا ہے۔ اور پانی کھینچ کر دیا جاتا ہے اور کبھی بارش بھی ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں اکثر کا اعتبار ہوگا، پہلی حالت میں عشر (یعنی دسواں حصہ) اور دوسری صورت میں نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) لازم ہوگا۔

امام ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کوئی مخالفت نہیں (المغنی) علامہ زرقانی نے بھی اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ (زرقانی شرح مؤطا ص ۲۴۸/۱)

غلہ کا نصاب:

(۳) زمیں کی پیداوار سے عشر نکلانے کےلیے شریعت نے نصاب مقرر کر دیا ہے جس کی پابندی لازمی ہے، اگر غلہ اس نصاب کو پہنچ جائے، تو عشر واجب ہو گا، اور اگر نصاب سے کم رہے تو عشر واجب نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے۔

((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیْ عَنْ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا یَحِلُّ فِی الْبُرِّ وَالتَّمْرِ زَکٰوۃٌ حَتّٰی یَبْلُغَ خَمْسَۃَ اَوْسُقٍ وَفِی لَفْظٍ لَیْسَ فِیْ حَبٍّ وَلَا تَمْرٍ صَدَقَۃٌ حَتّٰی یَبْلُغَ خَمْسَۃَ اَوْسُقٍ)) (نسائی شریف مع التعلیقات السفیۃ ص ۲۸۱ و بخاری اصح المطابع ص ۲۰۱ ج ۱)

''یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا، گندم، کھجور اور دانہ جب تک پانچ وسق (تقریباً ۲۰ من) نہ ہو، اس میں زکوٰۃ و عشر واجب نہیں۔''

بعض لوگ آیت قرآن {وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ} الایۃ اور حدیث شریف ((فِیْمَا سَقَتِ السَّمَائُ وَالْعُیُوْنُ)) الخ کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمین سے پیدا ہونے والی اجناس خوردنی میں کوئی نصاب نہیں ہے، بلکہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر تھوڑی یا بہت چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہے، اگر زمین سے دس سیر گندم پیدا ہوئی ہے، تو اس میں سے ایک سیر یا آدھ سیر دینا واجب ہے، مگر یہ مسلک بجز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کے کسی نے اختیار نہیں کیا، جمہور علماء اس کے خلاف ہیں اور جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے، کیونکہ آیت کریمہ اور حدیث شریف کے عموم کے پانچ وسق والی حدیث نے تخصیص کر دی ہے، چنانچہ امام بخاری پہلے حدیث ((فیما سقت السماء والعیون)) اور اس کے بعد پانچ وسق والی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

((قَالَ اَبُوْ عَبْدُ اللّٰہِ ھٰذَا تَفْسِیْرُ الْاَوَّلِ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ سَقَتِ السَّمَائُ اَلْعُشْرُ وَبَیَّنَ فِیْ ھٰذَا وَوَقَّتَ وَالزِّیَادَۃُ مَقْبُوْلَۃٌ وَالْمُفَسَّرُ یَقْضِیْ عَلَی الْمُبْھَمِ اِذَا رَوَاہُ اَھْلُ التَّثَبُّتُ)) (بخاری شریف اصح المطابع ص ۱/۲۰۱)

''یعنی ابو عبد اللہ (امام بخاری) نے کہا اس (پانچ وسق والی حدیث نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث (بارش سے پکنے والی کھیتی میں عشر ہے) کی تفسیر کر دی ہے، اور زمین سے پیدا ہونے والی قابل عشر جنس کا نصاب مقرر فرما دیا ہے، یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زائد بات ہے، جو مقبول ہے جب اہل حفظ و اتقان کوئی مفسر حدیث بیان کریں، تو مبہم روایت کے ابہام کو دور کر دیتی ہے۔''

نصاب سے زائد قلیل و کثیر سب میں زکوٰۃ ہے، ((وَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذٰلِکَ)) ۱۹ من میں نصاب سے کم ہونے کی وجہ سے عشر واجب نہیں، لیکن ۲۰ من سے زائد ایک من، بلکہ ۱۰ سیر ۲۰ سیر میں بھی عشر واجب ہے، چنانچہ عشر کی صورت میں ایک من میں ۴ سیر اور نصف عشر میں ۲ سیر دینا لازم ہے۔

کن چیزوں سے عشر ادا کیا جائے گا:

جن اشیاء میں عشر یا زکوٰۃ واجب ہے، ان کی مجمل فہرست مع مختصر احکام ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

(۱) باغات سے حاصل ہونے والے پھل:

احادیث میں آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں پھلوں میں صرف کھجور اور انگور کی زکوٰۃ لینے کا ذکر آتا ہے، اس کے علاوہ کسی پھل سے عشر نہیں لیا گیا، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں کے احکام ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

((اَلسُّنَّۃُ الَّتِیْ لَا اخْتِلَافَ۔ فِیْھَا عِنْدَنَا وَالَّذِیْ سَمِعْتُ اَحَدًا الْعِلْمِ اَنَّہٗ لَیْسَ فِیْ شَیْئٍ مِّنَ الْفَوَاکِہِ کُلِّھَا صَدَقَۃٌ)) (موطا مع زرقانی ص ۳۶۹)

''یعنی وہ طریقہ جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں، یہ ہے کہ (کھجور اور انگور کے علاوہ) کسی قسم کے پھل میں عشر واجب نہیں، اور ایسا ہی میں نے اہل علم سے سنا ہے۔''

ان دونوں پھلوں کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ پھل پکنے کے قریب صاحب فراست عامل باغ میں گھوم پھر کر تمام پھل دیکھے، اور اندازہ لگائے کہ اس باغ میں تازہ اور تر پھل کتنے من ہیں، اور خشک ہونے کے بعد کتنے رہ جائیں گے، مثلاً ایک باغ کا اندازہ لگایا کہ اس میں تر پھل ۱۵۰ من ہیں، خشک ہونے کے بعد یہ ایک سو من رہ جائیں گے، سو من میں عشر ۱۰ من اور نصف عشر ۵ من ہے، یہ تفصیل اپنے رجسٹر میں درج کرے، پھر جب پھل کٹ کر خشک ہو جائیں، تو اگر عشر یا نصف عشر وصول کرے، عشر میں خشک کھجور اور منقی لیا جائے گا، تازہ پھل نہیں لیے جائیں گے، یہ تفصیل حدیث میں یوں ہے:

((عَنۡ عُتَّابِ بۡنِ اُسَبۡ قَالَ اَمَرَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَنۡ یُخۡرَصَ الۡعِنَبُ کَمَا یَخۡرَصُ النَّخۡلُ وَتُؤۡخَذُ زَکوٰتُہ زَبِیۡبًا کَمَا تُؤۡخَذُ صَدَقَۃُ النَّخۡلِ تَمۡرًا)) (ابوداود مع عون المعبود ص ۶۴ ج ۲)

''یعنی عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم جاری فرمایا کہ انگور کا اندازہ کھجور کی طرح لگایا جائے، اوراس کی زکوٰۃ منقٰہ کی صورت میں لی جائے، جیسا کہ کھجور کی زکوٰۃ خشک کھجور سے وصول کی جاتی ہے۔''

کھجور وانگور کے اندازہ کرنے کے بعد اب باغ کا مالک آزاد ہے، کہ اپنا پھل تازہ بتازہ بیچ دے، خود کھائے یا دوست واحباب کو تحفے میں دے دے۔

عشر کے مال میں اندازہ لگانے کی حکمت:

اندازہ کا یہ طریقہ فریقین (فقراء اور اصحاب مال) یہ پھل خشک اور تازہ دونوں کھائے جاتے ہیں، اس لیے اگر اندازہ کے بغیر ان کے استعمال کی اجازت ہوتی تو فقراء کا سراسر نقصان تھا، اور اگر عشر ادا کیے بغیر ان کے استعمال سے روک دیا جاتا تو اصحاب مال خسارہ میں رہتے اور طرح طرح کی مشکلات میں بتلا ہو جاتے، اندازہ لگانے سے فقراء کے نقصان کا خطرہ جاتا رہا، اور اصحاب مال کے لیے بھی کوئی وقت باقی نہ رہی، اس طریقہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں صاحب مال کی ہیرا پھیری اور خیانت کا اندیشہ باقی نہیں رہتا، فقراء کا حق اس کے ذمہ متعین ہو جاتا ہے، عامل وقت پر اگر وصول کرے گا، شریعت کی طرف سے اس سلسلہ میں ارباب مال کو ایک رعایت بھی دی گئی ہے، جس کا ذکر حدیث میں یوں آیا ہے:

((عَنۡ سَھۡلِ بۡنِ اَبِیۡ حَثۡمَۃَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا خَرَصۡتُمۡ فَجُزُّوۡا وَدَعُوۡا الثُّلُثَ فَاِنۡ لَمۡ تَدَعُوۡا الثُّلُثَ فَدَعُوۡا الرُّبُعَ)) (ابوداود مع عون المعبود ص ۲۴ ج ۲)

''یعنی جب کسی باغ کا اندازہ لگاؤ، تو تیسرا حصہ چھوڑ دو، اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو۔''

اس کے دو معنی ہیں، اصل اندازے سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو، یا عشر لیتے وقت عشر سے تیسرا یا چوتھا حصہ چھوڑ دو، مثلاً کسی باغ کے خشک پھل کا اندازہ ۱۰۰ من ہے، تو اس سے ۳۳ یا ۲۵ من چھوڑ دو، یا اس کے عشر، ا من سے ۴ ۱/۴ من یا ۲ ۱/۲ من چھوڑ دو، کیونکہ باغ والے کو اپنے طور پر بھی غرباء، مساکین اور مزدور پیشہ لوگوں سے ہمدردانہ سلوک کرنا پڑتا ہے، نیز دوست واحباب، خویش واقارب کے حقوق بھی ادا کرنا ہوتے ہیں۔

ملحوظ:

ان کے علاوہ دوسری قسم کے پھل جیسے سنگترہ، مالٹا، ناشپاتی، آڑو، خربوزے، تربوز، اور آم وغیرہ جو چند دن کے مہمان ہوتے ہیں، عشر زکوۃ سے مستثنیٰ ہیں ان کے مالک ان پھلوں کو بیچیں، سال کے بعد ان کی قیمت سے جو کچھ بچ رہے، اس کی زکوٰۃ دیں۔

چاول، مکئی، چنے، باجرہ وغیرہ سے عشر دیا جائے۔

(۲) اجناس خوردنی اور ہر قسم کا غلہ جو انسان کی خوراک بنتا ہے، جیسے گندم، چاول، مکئی، باجرہ، جو، چنا اور جوار وغیرہ، ان میں سے جو قسم نصاب کو پہنچ جائے، اس میں یہ تفصیل مذکور واجب ہے، نصاب کو نہ پہنچے تو عشر نہیں ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گندم، چھلکا دار اور بغیر چھلکا کے جو اگر علیحدہ علیحدہ نصاب کو پہنچتے، اور سب کو جمع کرنے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو عشر واجب ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کا اختلاف:

(۳) ہر قسم کی دالیں جیسے چنے، ماش، مونگی اور مسور اور مٹر وغیرہ امام مالک اور دوسرے ائمہ کا اس میںبھی اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ان میں جو قسم نصاب کو پہنچ جائے گی، اس میں عشر واجب ہے اور جو نصاب کو نہیں پہنچے گی، اس میں عشر واجب نہیں، ان کو جمع کر کے نصاب پورا نہیں کیا جائے گا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علیحدہ علیحدہ یا سب مل کر نصاب کو پورا کر دیں، دونوں صورتوں میں عشر واجب ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مختلف

دالوں کو جمع کر کے عشر لیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ جب ان کی شکل و صورت، ان کے خواص اور ان کے نام الگ الگ ہیں، تو ان کو جمع کرنا چاہیے، بلکہ جو قسم نصاب کو پہنچ جائے، اس میں عشر واجب ہے، ورنہ نہیں۔

گڑ، شکر اور چینی وغیرہ میں عشر:

(۴) گڑ، شکر اور چینی میں یہ تینوں مل کر یا الگ الگ نصاب کو پہنچ جائیں، دونوں صورتوں میں عشر واجب ہے، کیونکہ یہ تینوں ایک ہی چیز کے مختلف شکلیں ہیں۔

سرسوں اور توریہ وغیرہ:

(۵) تیل نکالنے کے بیج مثلاً توریا، سرسوں، تارامیرا اور ارنڈی وغیرہ، زیتوں بھی ایک قسم کے دانے ہیں، جو عرب ممالک شام ولبنان میں بکثر پیدا ہوتے ہیں، برصغیر پاک وہند میں پیدا نہیں ہوتے، ان سے زیتون کا تیل حاصل کیا جاتا ہے، یہ دانے کسی اور طریقے سے استعمال نہیں ہوتے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اس کیع شر کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ اگر کسی کے کھیت سے ۲۰ من (پانچ وسق) زیتون کے دانے ہوں، تو مالک ان کا تیل نکلوائے اور اس تیل سے عشر یا نصف عشر ادا کرے، عشر میں دانے نہیں دے سکتا، ہمارے ہاں کے تیل نکالنے کے بیجوں کو بھی اس پر قیاس کیا جائے۔

گورا، چری وغیرہ سے عشر:

(٦) وہ دانے جو عموماً انسان کی خوراک تو نہیں بنتے، لیکن مویشیوں گوارا چری، موٹھ، جوکی، برسیم، لوسن وغیرہ، جن ائمہ کے نزدیک دانوں میں عشر دینے کے لیے ان کا خوراک ہونا ضروری ہے، ان کے نزدیک تو ان میں عشر نہیں ہے، لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (ادخار) سال بھر باقی رہنا ہی کافی ہے خوراک بنیں یا نہیں بنیں، اس لیے ان کے نزدیک ان میں عشر واجب ہے اور صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب یہ دانے زمین کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، اور یہ زمیندار ان سے ہر سال لاکھوں روپیہ کماتے ہیں، نیز یہ سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک باقی رہ سکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں، کہ ان میں غرباء کو ان کے حق سے محروم کر دیا جائے، اور ان کا عشر نہ دیا جائے۔

کپاس اور نرما وغیرہ میں وجوب زکوٰۃ:

(۷) ہر قسم کی کپاس دیسی اور امریکن نرما وغیرہ میں عشر واجب ہونے کی وہی علت ہے، جو قسم سابق میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذکر ہوئی ہے، پہلی چار قسم کے زمینی پیداوا سے چونکہ غرباء و مساکین براہ راست بغیر کسی طویل عمل کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس لیے ع شر میں وہ جنس ہی دی جائے، جس سے عشر دینا لازم آتا ہے، مثلاً گندم سے گندم اور چینی سے چینی ہی دی جائے، قیمت نہیں دینا چاہیے (۱)، باقی تین قسم کی پیداوار سے غرباء بغیر طویل عمل ے براہ راست فائدہ اٹھا سکتے ہیں، کپاس سے کپڑا تیار کرنا، اور سرسوں، توریہ وغیرہ سے تیل نکالنا ان کے لیے مشکل ہے، اس لیے ان اجناس میں اگر صاحب مال قیمت ادا کر دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱) یہ عشر وصول کرنے والے کی ضرورت پر منحصر ہے، اس کو جس چیز کی ضرورت ہے یا جس میں اس کو آسانی ہے وہ بھی لے سکتا ہے، جیسا کہ ابوداود میں ہے۔

وجوب عشر چار چیزوں میں منحصر نہیں:

ہر قسم کے دانوں میں وجوب عشر کی دلیل یہ حدیث ہے:

((عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذِ الْحَبَّ مِنَ الْحَبِّ وَالشَّاةَ مِنَ الْغَنَمِ وَالْبَعِيْرَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرَةَ مِنَ الْبَقَرَةِ...)) (ابوداود مع عون المعبود ص ۲۲ ج ۳)

''اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عشر میں غلہ یا بکریاں سے بکری، اونٹوں سے اونٹ اور گایوں میں سے گائے لو۔''
بعض لوگوں نے چار چیزوں گندم، جو، کھجور اور منقی سے عشر دینا بتایا ہے، اور دلیل میں وہ احادیث نقل کی ہیں، جن میں ان ہی چار چیزوں کے نام آتے ہیں، مگر وہ احادیث مرسل، منقطع یا انتہائی کمزور ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ ائمہ حدیث نے انہیں قبول نہیں کیا، اس لیے ان لوگوں کا یہ مسلک صحیح نہیں ہے، قرآن وحدیث کے عموم کی، ان ضعیف حدیثوں سے تخصیص نہیں ہو سکتی، اس کے برعکس امام داود ظاہری فرماتے ہیں، کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز سے (جو آمدنی کا ذریعہ ہو) زکوٰۃ واجب ہے، لیکن جس چیز میں ناپ تول جاری ہوتا ہے، اس میں وجوب عشر کے لیے نصاب شرط ہے، جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے، اور جو چیزیں ناپ تول میں نہیں آتیں، ان میں قلیل کثیر میں عشر واجب ہے، غرباء کی ضروریات اور امراء کے تزکیہ نفس و مال کے پیش نظر تو یہ مذہب احوط اور صحیح معلوم ہوتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ((وھذا نوع من الجمع)) کہہ کر اس مذہب کی ترجیح پر ایک گونہ اطمینان کا اظہار فرمایا ہے، دور حاضر کے بعض ممتاز علماء نے بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے، چنانچہ مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی اپنی تصنیف مرعاۃ المناتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں:
((وَالرَّاجِحُ هٰذِهِ الْأَقْوَالِ وَأَتْوَاهَا عِنْدِي قَوْلُ دَاوٗدَ الظَّاهِرِيِّ))
''میرے نزدیک ان اقوال میں سے داؤد ظاہری کا قول زیادہ قوی اور راجح ہے۔''
ایسے ہی مؤلف التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۰۱ ج ۱ کا بھی اسی طرح رجحان ہے۔

گاجر، مولی، آلو اور دیگر سبزیاں:

زمین سے پیدا ہونے والی جتنی چیزیں اوپر بیان ہوئی ہیں، اگر نصاب سے کم ہیں، تو ان میں عشر نہیں ہے، جمہور کے نزدیک ہر قسم کی سبزیاں مثلاً گاجر، مولی، آلو، گوبھی، پالک، گھیا اور ٹماٹر وغیرہ نیز مویشیوں کے ہر قسم کے چارہ گوارا، چری، شلغم، برسیم، لوسن وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے، مالک ان چیزوں کو بیچیں، سال کے بعد ان کی قیمت سے جو بچ رہے، ان کی زکوٰۃ دیں، پہلے گذر چکا ہے، کہ کھجور اور انگور کے علاوہ باقی تمام پھلوں کا بھی یہی حکم ہے، امام مالک فرماتے ہیں:
((لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْفَوَاكِهِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْقَضْبِ وَلَا فِي الْبُقُولِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ وَلَا فِي أَثْمَانِهَا إِذَا بِيعَتْ صَدَقَةٌ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ بَيْعِهَا وَيَقْبِضَ صَاحِبُهَا ثَمَنَهَا)) (موطا مالک زرقانی ص ۳۶۹ ج ۲)
''کھجور اور انگور کے علاوہ ہر قسم کے پھلوں میں اسی طرح مویشیوں کے چارہ میں نیز ہر قسم کی سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہے، جب مالک ان چیزوں کو بیچ کر قیمت اپنے قبضے میں کرے، تو سال کے بعد اس سے زکوٰۃ ادا کرے۔''
یاد رہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام داؤد ظاہری کے نزدیک تمام سبزیوں ہر قسم کے پھلوں اور مویشیوں کے چارہ میں عشر واجب ہے، تفصیلات کے لیے کتب مذکورہ کی طرف مراجعت فرمائیے۔

مصارف زکوٰۃ

حدیث میں آیا ہے:
((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ هُوَ فِيهَا فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةً)) (تفسیر بن کثیر بحوالہ سنن ابی داود)
''آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مال زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے نبی یا کسی غیر نبی کے فیصلہ کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ اس کے متعلق خود حکم فرمایا۔''
قرآن حکیم میں ہے:
{إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِينِ وَالْعٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ} (التوبۃ: ۶۰)
''یعنی وہ زکوٰۃ کا مال فقرائی، مساکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں، مؤلفین، غلاموں اور قرضداروں، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں اور مسافروں کے لیے ہے۔''

ان آٹھ قسموں کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

(۱۔۲) فقراء جمع فقیر کی، اور مساکین جمع مسکین کی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے نزدیک فقیر کی حالت مسکین سے بدتر ہے، کیونکہ مسکین اسے کہتے ہیں، جس کے پاس تھوڑا بہت ہو، اور فقیر جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، امام ابوحنیفہ کا قول اس کے برعکس ہے۔

(۳) زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل یہ وہ لوگ ہیں جو خلیفہ اسلام یا کسی ادارہ کی طرف سے زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے مقرر ہوتے ہیں، علامہ ابن العربی مکی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھنے سے معلوم ہوا کہ جو شخص فرض کفایہ بجالائے، وہ اس کی مزدوری لے سکتا ہے، جیسے نماز کی امامت ہے، نماز تو سب انسانوں پر فرض ہے، لیکن جماعت کرانا فرض کفایہ ہے، اس لیے جیسے امام جماعت کرانے پر اجرت لے سکتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ جمع کرنے والے عامل کے لیے اجرت لینا بھی جائز ہے، امام اپنی صوابدید سے کام کے مطابق زکوٰۃ سے ان کو معاوضہ دے۔ (احکام القرآن)

(۴) مؤلفۃ القلوب: اس سے وہ ضعیف الایمان مسلمان مراد ہیں، جن کی اگر دلجوئی اور مالی اعانت نہ کی جائے، تو ان کے السام سے منحرف ہوجانے کا خطرہ ہو، یا ایسے مائل بہ اسلام کافر جو مالی اعانت سے حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آج کل یہ حصہ ساقط ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ آجکل بھی بوقت ضرورت عمل کیا جاسکتا ہے۔

(۵) غلام، آج کل چونکہ غلامی کا رواج نہیں ہے، اس لے اس حصہ کو زکوٰۃ کے دوسرے مصارف کی طرف منتقل کیا جائے گا، ہاں اگر کوئی مسلمان دشمن کے ہاں گرفتار ہوجائے، تو اس سے فدیہ لے کر اسے چھڑایا جاسکتا ہے۔

(۶) غارمین، ان (۱) سے مراد وہ مقروض ہیں، جن پر اتنا قرضہ چڑھ گیا ہے، کہ ان میں اس کے ادا کرنے کی سکت باقی نہیں رہی، مگر یاد رہے، اگر کوئی شخص خلاف شرع کاموں میں مال خرچ کرنے کی وجہ سے مقروض ہوگیا ہے، جیسے جوا بازی، شراب نوشی، اور عیاشی وغیرہ تو جب تک توبہ نہ کرے، اس کی زکوٰۃ اور دیگر صدقات سے اعانت کرنی جائز نہیں، اگر مقروض فوت ہوجائے، اور قرض ادا کرنے کے لیے کوئی چیز نہ چھوڑ جائے، تو زکوٰۃ کی اس مد سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔

(۱) غارمین میں سے ہو مقروض مراد ہیں جو قرض میں کسی کا ضامن ہو اور وہ ضامنی اس کو ادا کرنی پڑجائے۔ (سعیدی)

(۷) فی سبیل اللہ، اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جو محاذ جنگ میں دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہوتے ہیں، یہ لوگ غنی بھی ہوں، تب بھی ان کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، غریب غازی کو مال زکوٰۃ دیا جائے گا، غنی کو دینا جائز نہیں، مگر یہ مسلک قرآن کے اطلاق اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے خلاف ہے:

((لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لغازی فی سبیل اللہ الحدیث)) (مشکوٰۃ)

''پانچ قسم کے اغنیاء کے علاوہ کسی غنی کے لیے مال زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، ان میںسے ایک غنی غازی فی سبیل اللہ ہے۔''

سامان حرب و ضرب خریدنے کے لیے قومی دفاعی فنڈ میں زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے، محمد بن عبد الحکم فرماتے ہیں، آلات حرب، گھوڑے، اور ہتھیار خریدنے اور دشمن کو اپنے ملک سے دفع کرنے کے لیے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے، دیکھئے نبی ﷺ نے سہل بن ابی حثمہ کے قتل کے سلسلہ میں فتنہ وفساد اور لڑائی کا شعلہ سرد کرنے کے لیے زکوٰۃ کے ۱۰۰ اونٹ خرچ کردیئے تھے۔ (احکام القرآن لابن العربی: ص ۹۵۷ ج ۲)

فی سبیل اللہ کے حکم میں حج اور عمرہ بھی داخل ہیں۔

((وعن ابن لأس الخزاعی قال حملنا النبی ﷺ علی ابل الصدقۃ الی الحج والعمرۃ)) (مسند احمد)

''ابن لائس خزاعی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں سفر حج میں سواری کے لیے زکوٰۃ کے اونٹ دیئے۔''

امام شوکانی اس کے علاوہ متعدد احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''ان احادیث سے پتہ چلا کہ فی سبیل اللہ کی مد سے حج اور عمرہ کے لیے جانے والوں کی امداد کی جاسکتی ہے، اور ان کے سفر کا سامان وغیرہ تیار کرنا جائز ہے، اگر کوئی جانور جہاد فی اللہ کے لیے وقف ہے، تو اس پر حاجی اور معتمر سفر کرسکتا ہے۔'' اس طرح مدارس دینیہ پر، جہاں مفلوک الحال غریب طلباء تعلیم پاتے ہیں، زکوٰۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے۔

(۸) ابن السبیل، اس سے وہ مسافر مراد ہے، جو اگرچہ اپنے وطن امیر ہیں، مگر سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہوگیا ہے، اور اس کے لیے گھر پہنچنا مشکل ہوگیا ہے، ایسے مسافر پر زکوٰۃ کا خرچ کرنا جائز ہے، اور جو دونوں جگہ محتاج ہیں، وہ بطریق اولیٰ مستحق ہیں۔

جلد 7 ص 14۔58

محدث فتویٰ